طاغوت
رضوان علی سومرو

پُراسرار ناول

رضوان علی سومرو

آج جب بھی میں ان روح فرسا اور لرزہ خیر واقعات کا تصور کرتا ہوں تو خوف کی ایک سرد لہر میرے اندر دوڑ جاتی ہے۔

آہ میرے خدا، کس قدر بھیانک اور خوفناک واقعات تھے وہ جو کہ میری جیتی جاگتی زندگی میں پیش آئے۔ یہ سارے واقعات خوفناک اور ناقابل یقین حد تک تحیر انگیز تھے۔ کہا جاتا ہے دنیا میں پہلا قتل بھی کسی عورت کی وجہ سے ہوا تھا اور دنیا کا آخری قتل بھی کسی عورت کی وجہ سے ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی بڑے فساد اور جھگڑے کی ذمہ دار عورت ہی ہے۔ میری زندگی کی یہ پراسرار اور حیرت انگیز داستان جس کی بنیاد ایک عورت ہے، جس کی جفاؤں کی وجہ میری یہ داستان جو کہ حیرت انگیز واقعات پر مبنی ہے، ظہور پذیر ہوئی۔

میرا نام امجد بیگ ہے۔ میرا تعلق ایک باعزت گھرانے سے ہے۔ والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ چونکہ میں ان کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے ان کی موت کے بعد میں اکیلا پڑ گیا لیکن

میرے والدین نے مرنے سے پہلے میرے ساتھ اتنی مہربانی ضرور کی مجھے تعلیمی حوالے سے اس قابل بنا گئے کہ میں اچھی نوکری حاصل کرسکوں۔ چنانچہ مجھے نوکری کے لئے زیادہ تگ ودو نہیں کرنی پڑی تھی۔نوکری فوراً ہی مل گئی اور میری انکم بھی اچھی تھی۔ چونکہ میں اکیلا تھا اس لئے میں اچھا پہنتا اور اچھا کھاتا، اپنی ساری انکم اپنی ذات پر ہی خرچ کر دیتا تھا۔

میری داستان کی ابتدا جیمسن اینڈ بارٹلے نامی ایک فرم سے ہوئی جہاں میں ایک کلرک کی پوزیشن پر جاب کرتا تھا سارا دن کمپیوٹر پر ہی انگلیاں گھسنے کی تنخواہ مجھے ملا کرتی تھی چونکہ میں اکیلا تھا اس لئے اپنی زندگی شاہانہ اور اپنی مرضی سے گزارتا تھا۔ پورا ماہ عیاشی سے خرچ کرنے کے باوجود بھی میرے پاس بہت سے پیسے بچ جاتے جن کو پس انداز کرلیا کرتا تھا۔

جس فرم میں جاب کیا کرتا تھا وہ کل سات اسٹاف پر مشتمل تھا۔ مجھ سمیت پانچ مرد اور دو عورتیں۔ مردوں میں سب سے زیادہ جوان اور ہینڈسم میں ہی تھا اور خوش لباس بھی رہنا میں ہی پسند کرتا تھا۔ جب میں اپنی فرم جوائن کی تو سواری کے لئے اکثر بس یا مسافر رکشہ کا استعمال کرتا تھا۔ بعد میں نے آنے جانے کے لئے موٹر سائیکل خرید لی تھی۔

فرم میں جو خاتون تھی ان میں سے پہلی کا نام انجیلا تھا جو کہ چالیس کی ادھیڑ عمر کرسچن خاتون تھی۔ انجیلا کی شادی کو چار سال ہی ہوئے تھے کہ اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد انجیلا اپنے شوہر سے اس قدر محبت کرتی تھی کہ اس نے دوبارہ شادی نہیں کی۔ آفس میں ایک بوڑھے جیکب بھی تھے جس نے انجیلا کو مذہب اور ملت کا واسطہ دے کر شادی کے لیے قائل کرنا چاہا مگر اس نے شادی نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ بوڑھا جیکب اپنا دل اپنے تھیلے میں رکھ کر خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔ دوسری خاتون ایک لڑکی تھی جس کا نام نائلہ تھا۔

نائلہ بہت حسین اور طرحدار تھی۔ لیکن وہ بہت زیادہ فیشن ایبل اور ماڈرن تھی۔ اس کو دیکھ

کر دفتر کے سارے اسٹاف نے اپنے سامانِ عشق کے تمام اوزار اپنے دل سے باہر نکال لئے تھے۔ ہر ایک کی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح نائلہ کو متاثر کیا جاسکے۔

میں اس دن حسبِ معمول صبح کے وقت ہوٹل پر ناشتہ کرنے کے بعد بس اسٹاپ پر آ گیا تھا۔ صبح کے ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ آفس ہمیشہ دس بجے لگتا تھا اس لئے میں آرام سے ناشتہ کر کے صبح ساڑھے آٹھ بجے بس اسٹاپ پر آجاتا اور میری کوشش ہوتی کہ میں ہمیشہ کھڑکی والی نشست کا انتخاب کروں تاکہ آرام سے بس میں سو سکوں۔ چنانچہ میں نے اس دفعہ بھی یہی کیا کہ کھڑکی والی سیٹ پکڑی اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ جو سیٹ میں نے بس میں پکڑی تھی وہ بالکل ہی خالی تھی۔ باقی بس بھی زیادہ تر خالی تھی۔ مجھے آنکھیں بند کیے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ایک عجیب ناگوار قسم کی بدبو میری شامہ سے ٹکرائی تھی۔ بدبو انتہائی تیز تھی جس کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔ بدبو بالکل ہی میرے پاس سے آ رہی تھی۔ وہ بدبو ایسی تھی کہ جیسے پرانا گوشت پڑا اسڑ گیا ہو۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو چونک گیا کیونکہ میرے ساتھ والی جو سیٹ خالی تھی اس پر ایک شخص کمبل میں لپٹا پڑا تھا۔ اس کا چہرہ بھی کمبل ڈھکا ہوا تھا۔ تیز قسم کی بدبو اس کے پاس سے مجھے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ بدبو اس قدر تیز اور سریع التاثیر تھی کہ اس کو پوری بس میں پھیل جانا چاہیے تھا لیکن حیرت یہ تھی کہ بس میں کوئی بھی اس بدبو سے متاثر نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے پوری بس میں نظر دوڑائی، مجھے کوئی بھی مسافر پریشان نظر نہیں آیا۔ وہ بدبو ایسی تھی کہ جیسے کہیں لاش سڑ رہی ہو۔

"اے۔۔ بھائی کون ہو تم۔ کسی دوسری جگہ جا کر بیٹھو بہت زیادہ بدبو آ رہی ہے۔" میں نے اس کے کمبل کو ہلایا۔

کمبل ہلاتے ہی ایک نہایت ہی گندا سا احساس میرے پورے جسم میں دوڑ گیا۔ میں نے

گھبرا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ میرے ہلانے پر اس نے کوئی حرکت نہیں کی۔ میں نے سوچا نا جانے کون ہے، اس کو ایسی کون سی بیماری ہے جس کی وجہ سے اس کا جسم بدبودار ہو گیا ہے۔ میں نے فوراً ہی اپنی سیٹ بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں اٹھ کر اس کے درمیان سے نکلنے ہی لگا تھا کہ اس نے میرے اور سیٹ کے درمیان اپنا اڑا دیا۔ میں چونک کر رک گیا۔ میں نے اس کی طرف نہایت غصے سے دیکھا۔ اچانک اس نے اپنے میلے کچیلے کمبل سے منہ باہر نکالا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر خوف کا ایک احساس تھا جو کہ میرے اندر سرایت کرتا چلا گیا۔

عجیب سا مکروہ اور نحوست سے بھرپور چہرہ تھا۔ اس کا چہرہ کسی توے کی طرح سیاہ تھا۔ سر کے سارے بال سیاہ گھنگریالے تھے اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور ہونٹ موٹے اور حبشیوں کی طرح تھے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے وہ آنکھیں اپنے جسم کے آر پار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ نا جانے کیوں اس کا چہرہ دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوتا کہ یہ کسی زندہ انسان کا چہرہ نہ ہو۔ عجیب بے رونقی اور نحوست تھی اس چہرے پر۔

''کون ہو تم۔'' میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ اپنے لہجے کا کھوکھلا پن مجھے صاف محسوس ہوا۔ نا جانے کیوں مجھے اپنے اندر کپکپی سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ خوف کا احساس میں نے اپنے اندر دوڑتے ہوئے محسوس کیا۔ وہ مجھے مضحکہ خیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفعتاً وہ مجھے دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اس طرح کہ اس کے گھورنے پر مجھے صدفی صد یقین ہو گیا کہ وہ پاگل ہے۔ میں نے جانے کے لئے زور لگایا، لیکن شاید اس میں مجھ سے زیادہ دم تھا۔ میرے زور لگانے پر وہ ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ اور دیدے پٹ پٹا کر مجھے گھورنے لگا۔

''ہٹو۔۔۔ ادھر سے نا جانے کیسے پاگل چڑھا رکھے ہیں۔'' میں نے چلا کر کہا۔ مجھے اس طرح چلاتا دیکھ کر اگلی سیٹ کے سارے مسافر میری طرف متوجہ ہو گئے۔

”کیا ہوا بھائی، کیوں چیخ رہے ہو؟“ مجھ سے آگے والی سیٹ کے ایک بڑے میاں نے میری طرف پلٹ کر دیکھا۔

”نا جانے کیسے کیسے گندے لوگ چڑھ جاتے ہیں بس میں۔“ میں نے بڑے میاں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

”کون سے گندے لوگ کہاں ہیں۔“ بڑے میاں نے مجھے دیکھ کر حیرانگی سے کہا۔

”یہاں۔“ میں نے اپنی سیٹ کی طرف اشارہ کیا، لیکن یہ کیا وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ گندا اور مکروہ انسان غائب ہو چکا تھا۔ میں حیران ہو گیا۔ خوف کی ایک سرد لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ وہ مکروہ گندا انسان کون تھا۔ کیا میری آنکھوں کو دھوکہ ہوا تھا۔ سارے لوگ مجھے اب عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے کہ میں پاگل ہو گیا ہوں۔ اسی اثنا میں میرا بس اسٹاپ آ گیا۔ میں فوراً ہی بس سے اتر گیا۔ میرا ذہن مستقل یہی سوچ رہا تھا کہ وہ پراسرار اور بدبو دار انسان کون تھا؟ مجھ سے کیا چاہتا تھا؟ یہی سارے سوالات میرے ذہن میں گھوم رہے تھے۔ اسی دوران میں آفس میں پہنچ گیا۔

حسبِ توقع نائلہ سب سے پہلے پہنچی ہوئی تھی۔ اس کی آمد کے بعد ہی سارا اسٹاف پہنچا کرتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سیٹ پر بیٹھی پاکٹ مرر سے اپنا میک اپ درست کرنے میں مصروف تھی۔ اس نے مجھ پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ میں بھی اپنی سیٹ وغیرہ کو صاف کر کے کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گیا۔ کل کا ضروری کام آج پورا کرنا تھا اور کل جو میٹنگ ہوئی تھی اس کے منٹس بھی تیار کر کے سب مٹ کرنے تھے۔ اچانک میری نظر نائلہ پر پڑی اور میں پھر اس کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ نائلہ اور مجھے ساتھ کام کرتے ہوئے چھ ماہ ہوئے تھے۔ ان چھ ماہ میں پہلی بار نائلہ کو دیکھنے کا میرا زاویہ تبدیل ہوا۔ وہ اتنی حسین اور

خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ وہ پہلے کبھی اتنی خوبصورت نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے سفید رنگ کا کرتا شلوار پہن رکھا تھا اور چہرے پر لباس کی مناسبت سے میک اپ کر رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں اس قدر گہری اور حسین نظر آ رہی تھیں کہ میرا دل ان آنکھوں میں ڈوب مرنے کا کر رہا تھا۔ ان کی گہرائی جھیلوں سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے خوبصورت اور لرزتے لبوں کو دیکھ کر مجھے وہ گلاب یاد آ گئے جن پر شبنم کے قطرے چھلک اٹھے ہوں۔ بس محبت کا احساس میرے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ آج پورا دن مجھ سے کام ہی نہ ہوا، بس میں اسی کو دیکھتا رہا۔ میری محویت کو اس نے بھی محسوس کیا تھا۔ جس پر وہ مسکرا دی تھی۔

شام کو چھٹی کے بعد ہم سب گھر کے لئے نکل گئے موسم خوشگوار تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی لیکن اس میں گرمی کا احساس کم تھا۔ نائلہ بھی بس اسٹاپ پر کھڑی تھی اور میں بھی۔ اچانک سب سے پہلے میری بس آئی اور میں نے اپنی بس کو جانے دیا۔ چونکہ نائلہ کی بھی بس نہیں آئی تھی۔ اسٹاپ پر اور لوگ بھی تھے لیکن مرکز نگاہ نائلہ تھی۔ نائلہ نے بھی اس چیز کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی بس میں سوار ہو گئی۔ اس کے اس طرح مسکرانے سے ایک بات تو ثابت ہو گئی کہ وہ مجھے ناپسند نہیں کرتی ہے۔ ہو سکتا تھا کہ اس نے میری نظروں اور دل کے پیام کو سمجھ لیا ہو۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک میں نے بس کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ بس کی رفتار تیز تھی اور وہ بہت زیادہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ لوگ دروازے پر ڈنڈا پکڑ کر کھڑے تھے۔ میں نے فوراً ہی بس کی سمت دوڑ لگا دی۔ بس رکی، میرے ساتھ اور بھی لوگ بھاگے۔ جیسے ہی میں نے بس کا ڈنڈا پکڑا، کسی نے میرا بازو پکڑ کر اپنی سمت کھینچا۔ جیسے ہی اس نے مجھے کھینچا میں فوراً ہی گر پڑا۔ بس آگے بڑھ گئی۔ بس کے آگے بڑھ جانے کے سبب میں روڈ پر سر کے بل گرا۔ جس سے میرے سر کے پچھلے حصے پر چوٹ آئی۔ مجھے یوں لگا کہ میرے آنکھوں کے گرد

ان گنت سورج طلوع ہو کر غروب ہو گئے ہوں۔ میں بھنا کر اٹھا اور میرے منہ سے مغلظات جاری تھے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو حیرت وخوف سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میرا اسارادرد ہوا ہو گیا۔ یہ وہی تھا۔ گندا کمبل پوش مکروہ اور غلیظ ۔۔وہ کمبل پوش مکروہ انسان مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بدن سے پھوٹنے والی بدبو میرے دماغ پر اثرانداز ہو رہی تھی۔

''تم۔۔۔'' میرے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

''ہاں۔۔ہم۔۔۔تجھے ابھاری ہونا چاہیے ہمارا۔۔۔تھوری جان بچالی ہم نے۔۔'' وہ دیدے پٹ پٹا کر بولا۔

''مطلب۔۔''

''اگر تو اس بس میں جاتا تو جان سے جاتا۔۔''

''کیا بک رہے ہو۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''تجھے بعد میں خود پتہ چل جائے گا۔ اگر تو ہمرے کام کا نہیں ہوتا ناں تو مرنے دیتے تجھے ہم ہاں۔''

اس کی بات سن کر میں چونک پڑا۔ اس مکروہ اور غلیظ انسان کو مجھ سے کیا کام۔ مجھے تو یہ کالا علم کرنے والا معلوم پڑتا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں اپنے کسی علم کے لئے مجھے استعمال کرنا چاہتا ہو۔

''کیسا کام۔''

''کالی پہاڑی آجا۔۔۔تھوری زندگی بدل دے دیں گے، دھنوان کردیں گے تجھے۔''

اس کی بات سن کر میں چونک گیا۔ اس کی شکل دیکھ کر مجھے ابکائی سی محسوس ہونے لگی۔ نہایت مکروہ اور نحوست سے بھرپور تھی۔

”نن۔۔نہیں میں نہیں آسکتا۔۔۔میرا پیچھا چھوڑ دو۔“

میری بات سن کر وہ دیوانوں کی طرح ہنس پڑا اور اپنے الجھے ہوئے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

”میرے حلیہ پر مت جا، قسم ماں کالی کی تو میرے ساتھ دنیا کا ہر سکھ پائے گا۔“ اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اس کے بدن سے آنے والی ناگوار مہک مجھے پاگل کیے جا رہی تھی۔ میں فوراً اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

”تو جدھر بھی پگ (قدم) بڑھائے گا مجھے اپنے دوار (دروازے) پر پائے گا۔“ اس نے بلند آواز میں کہا۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھ گیا۔

گھر پہنچ کر ٹی وی کھول کر بیٹھ گیا۔ میں چینل تبدیل کرتا جا رہا تھا کہ ایک بس کے حادثہ کی خبر سن کر میں چونک گیا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس بس کے حادثہ کی خبر کو دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی بس تھی جس پر میں سوار ہو رہا تھا۔ بس بریک فیل ہونے کے سبب آگے والی ایک دوسری بس سے ٹکرا گئی تھی اور دونوں بسیں فٹ پاتھ چڑھ گئی تھیں۔ نو مسافر اور دو راہ گیر جاں بحق ہو گئے تھے اور متعدد زخمی تھے۔ اس گندے اور غلیظ انسان کو کیسے پتہ چلا کہ جس بس میں سوار ہو رہا ہوں وہ حادثہ کا شکار ہونے والی ہے۔ کیا وہ کسی پراسرار قوت کا ماہر ہے یا میرا شک ٹھیک ہے کہ وہ کالا جادو کرتا ہے۔

اس کے بعد میں نے دو دن کی چھٹی کر لی تھی۔ کیونکہ میرے سر پر چوٹ لگنے کے سبب سر سے خون نکلنے لگا تھا۔

دو دن کے بعد میں آفس گیا لیکن اپنی محبت کے لئے تحفہ لے جانا نہ بھولا۔ بغیر بتائے چھٹی

کرنے پر مجھے باتیں تو سننی پڑی تھیں لیکن مجھے اس کی پروا نہ تھی۔ میں جانتا تھا کہ اتنی باتوں کے باوجود وہ کام سے تو نہیں نکالیں گے البتہ دو دن کے پیسے کاٹ لیں گے۔ کام کے دوران میں نے اپنی نظروں کا مرکز صرف نائلہ کی ذات کو ہی رکھا تھا کیونکہ اس کا ڈیسک اور میرا ڈیسک تقریباً ساتھ ہی تھے۔ نائلہ نے اس چیز کو اچھی طرح سے فیل کر لیا تھا کہ میں اس کی ذات میں دلچسپی لے رہا ہوں۔

پورا دن گزر گیا لیکن میں اس کو تحفہ نہ دے پایا۔ پورے دن وہ مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی لیکن میں اس کے پاس جانے کی ہمت نہ کر پایا۔ ان دو دنوں میں وہ میرے لئے ایک خاص ہی اہمیت اختیار کر گئی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔ آفس ختم ہو جانے کے بعد ہم دونوں ہی بس اسٹاپ پر آ گئے۔ میں اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا اور میری نظریں مسلسل اس کی طرف تھیں۔ اس نے ایک بار بھی میری جانب نہیں دیکھا لیکن بس میں چڑھتے وقت اس نے پھر میری طرف مسکرا کر دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ میں نا جانے کیا بات تھی کہ میں دل تھام کر رہ گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں بس اسٹاپ پر اکیلا کھڑا رہ گیا اور دوسرے مسافر بھی تھے۔

اچانک میرے ذہن میں وہی واقعہ گھومنے لگا تھا۔ اگر اس گندے کمبل پوش نے میری جان نہ بچائی ہوتی تو شاید آج میں اپنی اس داستان کو بیان کرنے کے لئے زندہ نہ ہوتا۔ میں نے ایک جھرجھری لی اور بس میں سوار ہو گیا۔

رات کو خواب میں، میں نے نائلہ کو دلہن کے روپ میں دیکھا۔ سرخ عروسی جوڑے میں وہ آسمانوں کی حور معلوم ہو رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ پر جا بیٹھا اور میں نے عروسی لباس میں لپٹی نائلہ کا گھونگٹ اوپر کیا۔ گھونگٹ کے اوپر کرتے ہی مجھے ایسا لگا کہ جیسے گھونگٹ

سے چاند طلوع ہو گیا ہو۔ جیسے پورا کمرہ روشنی سے بھر گیا ہو۔

''ماشااللہ۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ شرما کر اور سمٹ گئی۔

''دل چاہتا ہے کہ تمہاری ان کٹوراسی آنکھوں کو چوم لوں۔'' میں نے روایتی عاشقوں کی طرح ڈائیلاگ جھاڑتے ہوئے کہا۔ میری بات سن کر اس کے چہرے پر حیا کے رنگ مزید گہرے ہو گئے۔

''سچ۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''ہاں۔۔ بالکل سچ۔'' میں نے آگے بڑھ کر اس کی دونوں آنکھوں کو باری باری چوم لیا۔ میں نے اپنے لبوں پر ایک عجیب سی حلاوت دوڑتے ہوئے محسوس کی تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ زندگی کی تمام خوشیاں تمہارے آنچل سے باندھ دوں۔''

میری بات سن کر اس نے مجھے شرما کر دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

''رات گزرتی جا رہی ہے۔۔ اور شب عروسی کی رات زندگی میں پہلی بار ہی آتی ہے۔'' میں نے اس کی طرف مخمور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میری نگاہوں کا مطلب سمجھ کر وہ اور شرما گئی اور دھیرے سے بولی۔

''میں نے کب انکار کیا۔''

اس کی بات سن کر میں مسکرایا اور پھر میں نے شیروانی کی جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ ایک تیز قسم کی بدبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی جس کو سونگھ کر میں چونک گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ گندا کمبل پوش انسان نائلہ کے بالکل برابر میں بیٹھا ہے اور مجھے طنزیہ نظروں سے گھور رہا ہے۔

''یہ تو سپنا ہے۔ پر سچ بھی ہو سکتا ہے پرنتو ہم چاہیں تو۔''

''کک۔۔ کیا چاہتے ہو تم۔''

”ہم نے تو کہا تھا ناں جدھر تیرے پگ دھریں اُدھر تو ہمیں پائے گا۔“

”تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہو۔“

”تھوری جان بچائی ہے اپنی طرح کا بلوان دیکھنا چاہتے ہیں تجھ کو۔“

”نہیں بننا مجھے بلوان۔“ میں نے چلا کر کہا۔ کمبل پوش جواب دینے کے بجائے ہنسنے لگا تھا۔ اس کو اس طرح ہنستے دیکھ کر مجھے بے حد غصہ آیا۔

”ہم جو سوچ لیں وہی ہوتا ہے۔ ایک دن تو ہماری بات ضرور مانے گا۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا بس اس کو زہریلی نظروں سے گھورنے لگا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں نا جانے کیا آیا کہ میں نے آگے بڑھ کر اس کی گردن پکڑ لی۔ دوسرے ہی لمحے مجھے نہایت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ اس نے مجھے دھکا دیا اور میں نیچے گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی مجھے اپنے سر کے پچھلے حصے میں درد کا احساس ہوا تھا۔ شاید یہ درد اس کے دھکا دینے کے سبب ہوا تھا۔ نا جانے وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا، سوچ سوچ کر میرے سر میں درد ہونے لگا تھا اور پھر میری آنکھ لگ گئی۔

☆......☆......☆

دوسرے دن میں یہ فیصلہ کر کے گیا تھا کہ آج میں اپنے دل کی بات اس سے ضرور کروں گا۔ پورے دن آفس میں مجھے موقع ہی نہ مل سکا کہ میں اس سے بات کر سکوں لیکن شام ہوتے ہی قدرت نے مجھے ازخود موقع فراہم کر دیا۔ میں بس اسٹاپ پر کھڑا تھا کہ وہ میرے نزدیک آ گئی۔ اس کے اس طرح میرے نزدیک آنے پر میں بوکھلا سا گیا۔

”کیسے ہیں مسٹر امجد۔“

”جج۔۔۔جی۔۔۔ٹھیک ہوں۔“ میں اس کو قریب دیکھ کر نروس ہو چکا تھا۔

میرے اتنے نروس ری ایکشن پر وہ ہنس پڑی۔اس کی ہنسی بہت خوبصورت تھی۔اس کے دانت موتیوں کے جیسے سفید تھے۔اس کو ہنستا دیکھ کر یوں لگا جیسے وقت رک گیا ہو۔میں یک ٹک اس کو دیکھنے لگا۔

''آپ نروس کیوں ہو رہے ہیں؟''

''نہیں۔۔۔تو۔''

میری بات پر وہ مسکرانے لگی۔اس کی مسکراہٹ سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میرے دل کے حال سے بخوبی واقف ہے۔

''اچھا!مسٹر امجد پکچر کا موڈ تھا۔دو ٹکٹ بک کروائے تھے۔اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔اگر آپ مصروف نہ ہوں تو۔''

اس کی بات سن کر میری باچھیں کھل گئیں۔اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔میں نے فوراً ہی ہاں کر دی۔میرے ہاں کرنے پر اس نے مجھے اس طرح دیکھا جیسے اس کو یقین ہو کہ میں اسکو منع نہیں کرونگا۔

ہم دونوں نے ایک ساتھ پکچر دیکھی۔میں تو پکچر کیا دیکھتا اسی کو دیکھتا رہا۔پھر میں نے اس کو ڈنر کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لی تھی۔ڈنر کے دوران ہم دونوں نے ایک دوسرے کے حالات زندگی جانے۔پھر اس نے روزانہ مجھے مسکرا مسکرا کر سلام کرنا شروع کر دیا۔دفتر میں کھلبلی مچ گئی۔بھلا ان باتوں کا مجھ پر کیا اثر پڑتا۔میری اور نائلہ کی محبت اب پروان چڑھنے لگی تھی۔اب ہم دن رات موبائل پر باتیں کرتے۔آفس میں بھی دو تین بار وہ میرے پاس آتی اور دو تین بار میں اس کے پاس جاتا۔ہماری محبت کی پٹڑی پر ہماری ٹرین بڑی سبک رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔اس کی بوڑھی ماں اور چھوٹا بھائی مجھے انکل کہتے تھے۔غرض زندگی کی

گاڑی بڑے ہی سکون سے رواں دواں تھی۔اس دوران وہ گندا کمبل پوش مجھے کہیں نہیں دکھائی دیا تھا۔شاید اس نے میرا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔اس کا تقریباً ہر خرچہ اب مجھ پر ہی تھا۔اس کے گھر کی چھوٹی موٹی ضروریات بھی میری ہی جیب پر پڑتیں۔گو کہ یہ سب مجھ پر بہت بھاری تھا لیکن محبت کی خاطر مجھے سب منظور تھا۔اس کی وجہ سے میری جمع پونجی سب ختم ہوگئی۔الٹا میں بہت سے لوگوں کا مقروض ہوگیا تھا۔ہوٹل میں اچھے ناشتے کے بجائے چائے اور بسکٹ پر ہی گزارہ شروع ہوگیا تھا۔

ایک روز قسمت کے تاریک دور نے مجھے پلٹ کر دیکھا۔میں اس وقت کو بھولتا نہیں جب اس نے مجھ سے کہا۔وہ اگلے ماہ کو پوری بیس سال کی ہوجائے گی چنانچہ میں اس کی خوشنودی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تو میں نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔

"یہ بہت خوشی کی بات ہے۔میری روح پھر ایک شاندار قسم کی سالگرہ ہونی چاہیے۔"

"کیا مطلب۔"

"مطلب یہ میری جان۔میں ایک شاندار قسم کی دعوت کا انتظام کرونگا جس میں ہمارے ساتھ دفتر کے تمام لوگ شریک ہوں گے۔ایک بڑا سا کیک بھی کاٹا جائے گا۔"

میری بات سن کر وہ خوش ہوگئی اور پھر دوسرے ہی پل اس کے حسین چہرے سے اداسی جھانکنے لگی۔

"میں نے کبھی سالگرہ نہیں منائی۔اتنے اخراجات ہوجائیں گے۔"

"ہونے دو میری روح۔"

"نن۔۔نہیں،اتنا بار ہے تم پر میرے گھر کا۔"

"کوئی بات نہیں۔۔تم میرے لئے بوجھ نہیں ہو میری جان۔"

میری بات سن کر وہ بہت خوش ہو گئی۔ جوش محبت میں سالگرہ اہتمام کرنے کی حماقت تو کر چکا تھا مگر اب پیسے کہاں سے لاتا۔ ایسے میں مجھے اپنا مجید یاد آیا۔ مجید سے ملنے کے لئے میں رات کے وقت اس کے گھر جا پہنچا۔ مجید میرا وہ دوست تھا جو کہ میرے ہر معاملے سے واقفیت رکھتا تھا۔ وہ میرا بچپن کا دوست تھا جب میں اس کے گھر پہنچا تو وہ کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ مجھے اس نے مہمان خانہ میں بٹھایا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد جب وہ آیا تو اسکے ہاتھ میں چائے کے دو کپ تھے۔

''ہاں بول کیسے یاد کیا؟'' وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

''یار نائلہ کی سالگرہ ہے۔''

''تو دعوت دینے آئے ہو'' اس نے چائے گھونٹ لیتے ہوئے کہا

''نہیں یار کچھ قرضہ۔''

''کتنے۔۔''

''دس ہزار تو ہوں یار۔'' میں نے کہا۔

''دیکھ یار پیسے تو لے جا مگر اتنا یاد رکھ جو لڑکیاں خرچہ کروائیں وہ قابل بھروسہ نہیں ہوتیں۔ باقی تیری مرضی۔''

''یار، نائلہ میری زندگی ہے۔ اب اس کے بغیر رہنا بھی دشوار ہے۔'' میں نے روایتی عاشقوں کی طرح ڈائیلاگ جھاڑتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد میں نے پیسے لے کر اس کے گھر میں ایک چھوٹی سی شاندار تقریب کا انعقاد تو کیا۔ اس تقریب کے لئے نہایت ہی سو خوبصورت دعوتی کارڈ چھپوائے گئے جو کہ مجید کے پیسوں سے تھے۔ پکوان سنٹر والوں سے بریانی اور خوبصورت سے کیک کا آرڈر بھی دیا گیا۔

جب دعوتی کارڈ چھپ کر آگئے تو اس دن اس نے میری محبت کا سچے دل سے اقرار کیا تھا اور میرے ساتھ زندگی بھر رہنے کا وعدہ کیا تھا۔ کارڈ دیکھنے کے بعد اس کے چہرے پر جو خوشی نمودار ہوئی دنیا کی تمام دولت کے سامنے ہیچ تھی۔ سچ ہے پیار پیسے کا بھوکا نہیں ہوتا۔

سالگرہ کے لئے میں نے اس کو نہایت بیش قیمت سوٹ خرید کر دیا۔ یہ میرا دل ہی جانتا ہے کہ مجید کے سارے پیسے خرچ ہو جانے کے بعد بھی مجھے مزید پیسوں کی ضرورت پڑی تھی۔ دعوت والے دن وہ مردود بھی آیا تھا جس کی وجہ سے میری محبت مجھ سے دور ہوگئی۔ اس کا نام واصف بیگ تھا۔ واصف کی شکل وصورت کافی واجبی سی تھی بلکہ قبول صورت بھی کہنا اس کے ساتھ زیادتی ہوگی، لیکن کپڑے بڑے اچھے پہنتا رہتا۔ بڑے ٹھاٹ سے تھا۔ وہ جب دعوت میں آیا تو اپنے کپڑوں کی وجہ سے قدرے منفرد لگ رہا تھا۔ ہمیشہ کار میں سفر کرتا اور اس کی تنخواہ بھی مجھ سے اچھی تھی۔ دفتر کے سب لوگ شریک ہوئے تھے۔

ایک مخملی سا سنہرا بکس تھا جو اس نے نائلہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ میری طرف سے ایک حقیر سا نذرانہ۔'' اس نے ایک ادا سے جھکتے ہوئے کہا۔

سب مہمانوں کے دیے ہوئے تحفوں میں بکس سب سے الگ اور منفرد نظر آرہا تھا۔ اس ڈبے میں نا جانے ایسا کیا تھا کہ اس کو کھول کر دیکھنے کی خواہش دل میں مچلنے لگی تھی۔ سب سے زیادہ بے چین نائلہ نظر آرہی تھی۔ اس سے زیادہ میں بے چین تھا۔ سب مہمانوں کے جانے کے بعد ہم دونوں ہی اس ڈبے کی جانب لپکے تھے اور تجسس سے اس ڈبے کو کھول ڈالا۔ ڈبے کے کھلتے ہی میری آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اس میں ایک خوبصورت سونے کا سیٹ جگمگا رہا تھا۔ سونے کے اس سیٹ کو دیکھتے ہی میرے جبڑے لٹک گئے تھے اور نائلہ کا چہرا گلنار ہو گیا۔

وہ یک ٹک اتنے بیش قیمت تحفے کو دیکھ رہی تھی۔

”سونے کا لگتا ہے۔“

”نہیں یار، امی ٹیشن ہے اس پر سونے کا پانی چڑھا ہے۔“میں نے حسد بھرے لہجے میں کہا۔

”نہیں نہیں بیٹا، خالص سونا ہے۔“اس کی ماں نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

”تمہیں ان چیزوں کی کیا تمیز۔“اس نے منہ بنا کر ناک سکوڑتے ہوئے کہا اور پھر وہ سونے کے سیٹ کو پہن کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ واقعی سونا پہن کر وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

”مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس قدر مخلص نکلے گا۔“

یہ سنتے ہی جیسے میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ گزشتہ چھ ماہ سے جو خلوص دکھا رہا ہوں اس کا اندازہ نہیں ہے اس کو لیکن پھر میں نے سوچا زیوارت تو عورت کی کمزوری ہوتے ہیں۔

”اچھا اب مجھے اجازت دو۔“میں نے کہا۔

”اچھا خدا حافظ۔“اس نے بے خیالی میں اپنے بندوں کو درست کرتے ہوئے جواب دیا۔ میں حیران رہ گیا۔ اتنی بے نیازی، کیا زیور کی چمک محبت کی چمک کو ماند کر سکتی ہے۔ میری آنکھوں کے گرد اندھیرے جاگ اٹھے تھے۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ واصف پر شدت سے غصہ آ رہا تھا۔ اس سے زیادہ خود پر غصہ آ رہا تھا کہ دعوت کا راگ کھٹ چلایا کیوں تھا، لیکن پھر میں نے دل کو سمجھایا کہ کچھ نہیں ہے۔ وہ تجھ سے محبت کرتی ہے لیکن نا جانے کیوں میرا دل نہیں مان رہا تھا کہ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ نائلہ زیورات کے ڈبے میں بند ہو چکی ہے۔

رات دیر تک میں آوارہ گردی کرتا رہا اور پھر فلیٹ میں آ کر سو گیا۔ چونکہ دل اداس تھا اس لئے بہت دیر تک نیند نہ آ سکی۔ کافی دیر تک جاگتا رہا پھر اچانک ہی ایک عجیب سی آواز سن کر

میری آنکھ کھل گئی۔ وہ آواز نا جانے کیسی تھی۔ میری سمجھ نہیں آیا۔ پورے کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اچانک ایک عجیب سی بدبو میری ناک سے ٹکرائی۔ اس بدبو سے میرے احساسات شناسا تھے۔ یہ وہی بدبو تھی جو کہ اس کمبل پوش سے آرہی تھی پھر اچانک میری آنکھوں کے سامنے سے اندھیرے چھٹنے لگے تھے۔

پھر میں نے اپنے آپ کو ایک لق ودق صحرا میں پایا۔ میری تو یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ فلیٹ کے آرام دہ بستر سے اس صحرا کا سفر میں نے کیسے طے کیا۔ شاید یہ اسی کمبل پوش مردود کی قوتیں ہونگی۔ جس نے آرام سے اٹھا کر سختی میں لا پھینکا تھا۔ اب مجھے گھر واپسی کا راستہ ڈھونڈنا تھا۔ پیاس سے میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ سراب کے دھوکے میں، میں ادھر ادھر بھٹک رہا تھا۔ اچانک میں نے ایک بادل کے سیاہ ٹکڑے کو دیکھا جو کہ بڑی تیزی سے چلتا ہوا میری طرف آرہا ہے۔ پھر وہ میرے سر آ کر مسلط ہو گیا۔ پھر اچانک ہی اس بادل سے بارش برسنے لگی۔ میں نے جی بھر کر پانی پیا۔ پانی پی چکنے کے بعد میری پیاس بجھ گئی اور۔۔۔ اچانک مجھے گرمی محسوس ہونے لگی۔

بادل جا چکا تھا۔ گرمی کی شدت میں اضافہ ہو چکا تھا۔ اچانک میرے حلق میں شدت پیاس سے دوبارہ کانٹے پڑنا شروع ہو گئے۔ یوں لگ رہا تھا کہ کسی نے کوئی نکیلی چیز میرے حلق میں ڈال دی ہو۔ پھر مجھے شدید قسم کی خارش کا احساس ہونے لگا تھا۔ پھر میں نے اس موذی کو دیکھا۔ جس کی فطرت میں ہی ڈسنا لکھا ہوتا ہے۔ وہ کالے رنگ کا سیاہ کوبرا تھا جو مجھ سے تھوڑے ہی فاصلے پر جھوم رہا تھا۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس موذی کو دیکھ رہا تھا جو مجھ سے تھوڑے ہی فاصلے پر کنڈلی مارے اپنے پھن کو یوں لہرا رہا تھا جیسے کہ اپنا شکار مل گیا ہو۔ کسی ویران اور لق ودق صحرا

میں موت کا تصور میرے لئے نہایت اذیت ناک تھا۔ میں سانپ پر نظریں جمائے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اور پھر دیوانوں کی طرح بھاگنا شروع کر دیا۔ نہ ہی مجھے خارش کی پروا تھی اور نہ ہی پیاس۔ بس زندگی بچانے کا احساس ہر چیز پر بھاری تھا۔ بھاگتے بھاگتے میں ذرا رکا پھر میں نے اسی سانپ کو پایا۔ اسے دیکھ کر میں نے پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ بھاگتے بھاگتے اچانک میرا پیر پھسلا اور میں لڑکھڑا کر منہ کے بل گرا۔ جیسے ہی میں اٹھا، اب سارا منظر ہی بدل چکا تھا۔ صحرا کے بجائے پہاڑی سلسلے تھے جو کہ سیاہ رنگ کے تھے۔ دھوپ کے بجائے ڈھلتی ہوئی دوپہر تھی۔ شام ہونے والی تھی۔

میرے سامنے سیاہ رنگ کے بڑے بڑے پہاڑ تھے۔ سانپ کا کہیں بھی پتا نہ تھا۔ مجھے پیاس اور خارش دوبارہ شروع ہو چکی تھی۔ اچانک میں نے پانی گرنے کی آواز سنی جو کہ بہت تیز تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ مجھے پانی کہیں بھی گرتا دکھائی نہ دیا۔ میں نے اس آواز کی سمت قدم بڑھانے شروع کر دیے۔ کافی دیر تک پہاڑوں پر چڑھنے کے بعد اپنے آپ کو ایک آبشار پر پایا۔ پانی کو دیکھ کر میرے دل میں نہانے کی خواہش نے جنم لیا۔ میں نے کپڑے اتارے اور پانی میں کود گیا۔

پانی بہت ٹھنڈا تھا لیکن اس میں ایک عجیب سی تازگی کا احساس تھا۔ اتنا میٹھا اور فرحت بخش پانی میں نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ نہا کر باہر نکلا، جسم بہت ہلکا اور تازہ ہو چکا تھا۔ شام کے سائے رات کے اندھیروں میں تبدیل ہو چلے تھے۔ خارش اور پیاس ختم ہو چکی تھی۔ اب بھوک کا احساس ستا رہا تھا۔ اب میں نے چلنا شروع کر دیا۔ بلا مقصد ہی کافی دیر تک چلتا رہا۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ چلتے چلتے میں تھک چکا تھا۔ اچانک میں نے ایک روشنی دیکھی جو کہ مجھے پہاڑ کی چوٹی سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح سے میں چوٹی پر پہنچا۔ چوٹی

پر آگ کا الاؤ جلتا نظر آیا تھا۔ اس الاؤ کے گرد میں نے ایک انسان کو بیٹھے دیکھا۔ یہ وہی تھا گندا اور مکروہ بدبودار کمبل پوش۔ جیسے ہی میں اس کے قریب پہنچا۔ بدبو سے سارا ماحول غلیظ ہو گیا۔ کمبل پوش کے ہاتھ میں ایک بڑی سی لکڑی تھی۔ وہ لکڑی سے الاؤ میں کچھ کر رہا تھا۔ اچانک وہ میری طرف مڑا اور مجھے بڑے غور سے دیکھنے لگا۔

"سمے بیت رہا ہے مورکھ، اپنے ہٹ سے باز آجا۔ اگر سمے چلا گیا تو پھر کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اس کو دیکھ کر ویسے ہی میں خوفزدہ تھا۔ اس کی بات سن کر اور میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"مجھے گھر جانے دو۔ مجھے تمہارا کوئی کام نہیں کرنا۔"

میری بات پر اس نے مجھے جلتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"مورکھ دھکاری (ملعون)، تجھے سمجھا سمجھا کر میں تھک گیا ہوں۔ ہاتھ آئی لکشمی کو کیوں ٹھکرا رہا ہے۔"

"مجھے جانے دو۔"

"دفع ہو جا۔ میری مجبوری ہے کہ میں تجھ کو زبردستی نہیں کر سکتا۔" اتنا کہہ کر اس نے مجھے لکڑی سے دھکا دیا۔ دھکا زوردار تھا۔ میں تیوارا کر گرا اور ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔

میرا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ پیاس سے حلق سوکھ رہا تھا اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ یہ دوسری بار تھا جب اس نے میرے خوابوں پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ وہ کیا چاہتا تھا یہ تو مجھے نہیں معلوم مگر اتنا ضرور معلوم تھا کہ اس کا مقصد نیک نہیں ہے۔ میں فوری بستر سے اٹھا۔ فریج کی جانب لپکا تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے سے پڑ رہے تھے۔ ٹھنڈے پانی نے میری پیاس

میں کافی افاقہ کیا تھا۔ پانی کے بعد جب میری حالت سنبھلی تو میرا ذہن سوچوں کے جال میں الجھتا ہی چلا گیا۔ نا جانے وہ کون تھا؟ کیا چاہتا تھا؟ کیوں مجبور ہے؟ یہ ایسے سوالات تھے جن پر میرا دماغ خاموش تھا۔ یہ وہ جوابات تھیں جن کا جواب صرف وہی دے سکتا تھا۔

دوسرے دن میں سو کر لیٹ اٹھا تھا۔ آفس کا وقت نکل چکا تھا اور میرے دماغ میں یہی خیال تھا کہ جس طرح سے اس نے بے نیازی برتی ہے، اس سے بات بھی نہیں کرونگا اور اس سے خوب لڑوں گا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے کہ اس کو اپنی غلطی کا احساس ضرور ہوگا اور پھر وہ مجھ سے معافی مانگے گی۔ میں تھوڑی دیر ناراضگی کا اظہار کروں گا اور پھر چند دن تک روٹھا رہوں گا اور وہ پھر مجھے منائے گی تو میں مان جاؤں گا۔ کہتے ہیں ناں کہ محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے اور میں بھی اندھا ہو گیا تھا۔ دوسرے دن جب میں دفتر پہنچا تو وہ ہمیشہ ہی مسکرا کر میرا استقبال کرتی لیکن آج اس مسکراہٹ میں وہ زندگی اور جان نہیں تھی۔ ایسا مجھے محسوس ہوا تھا۔ میں اس سے منہ پھلا کر اپنے ڈیسک پر بیٹھ گیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ تھوڑی ہی دیر کے بعد آئے گی اور مجھ سے معافی مانگے گی۔ ایسا کچھ نہ ہوا اور نہ وہ دو سے تین دفعہ میرے پاس ضرور آتی۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا آج اس سے جی بھر کر ناراضگی کا اظہار کروں گا مگر وہ میرے پاس نہ آئی۔ اس کے کسی انداز سے ایسا نہ لگا کہ اس کو میری ناراضگی کی پروا ہے نہ کوئی اضطراب اور نہ کوئی شرمندگی۔ وہ حسبِ معمول اپنے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ وہ ہمیشہ آفس سے جلد ہی نکل جاتی، لیکن آج میں اس سے تھوڑا سا پہلے نکلا تھا تاکہ میں اس سے مل کر معلوم کر سکوں کہ مستقبل کے تمہارے کیا ارادے ہیں۔ ہم نے جو شادی کے پلان بنائے ہیں اس کا کیا۔

جیسے میں باہر نکلا میں نے دیکھا کہ وہ اپنی سیٹ پر نہیں ہے۔ میں فوراً ہی بس اسٹاپ کی

جانب چل دیا۔ میں نے واصف بیگ کو دیکھا جو بے خبر بس اسٹاپ کی طرف جا رہا تھا۔ واصف بیگ کو بس اسٹاپ کی طرف جاتا دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ تو ہمیشہ ہی اپنی کار میں سفر کیا کرتا تھا۔اور آج بس اسٹاپ پر ہو سکتا ہے کہ اس کی کار خراب ہو گئی ہو۔ اچانک میں نے نائلہ کو آتے دیکھا۔ نائلہ کو دیکھ کر میں ایک پول کی آڑ میں ہو گیا۔ ان دونوں نے مجھے دیکھا تھا۔ اس لئے میں ان سے تھوڑے فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں ایک کار کی آڑ میں تھا۔

دونوں بس اسٹاپ پر پہنچ چکے تھے۔ نائلہ نے مسکرا کر اس کو سلام کیا جس کا جواب بھی مسکرا کر دیا گیا تھا۔

"مصروف ہیں واصف صاحب۔" نائلہ نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں کوئی خاص نہیں۔۔۔ حکم۔" واصف نے بھی مسکرا کر کہا۔ پھر نائلہ نے جو کچھ کہا۔ اس کو سن کر میری دونوں آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"وہ دراصل پکچر کا موڈ تھا۔ دو ٹکٹ بک کرائے تھے۔ اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ اگر آپ مصروف نہ ہوں تو۔"

اس کی بات سن کر میرا دماغ سن ہو گیا۔ میری آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا۔ دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔ واصف نے کیا کہا مجھے نہیں سن سکا۔ بس میں نے اتنا دیکھا کہ ایک ٹیکسی رکی ہے اور وہ دونوں اس میں بیٹھ گئے۔ میرے دل کی دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ اپنے اردگرد مجھے اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ جو لوگ محبت میں دھوکہ کھا چکے، ان کو اچھی طرح سے اندازہ ہوگا کہ محبت میں ناکامی کا درد کیا ہوتا ہے۔ میری محبت میرے ہاتھ سے نکل کر زیوارت کی چمک دمک میں گم ہو چکی تھی۔ میری محبت سونے چاندی کی دیوار میں چن دی گئی تھی۔ میں اپنے عشق و محبت کا ماتم مناتا ہوا گھر آ گیا۔

اگلے دو دن میں تمام آفس اسٹاف اور میرے یہ بات سمجھ آگئی کہ وہ مجھ سے دور ہوگئی ہے۔واصف کی پوزیشن اور اسٹیٹس نے اس کو مجھ سے چھین لیا ہے۔تمام دفتری اسٹاف مجھے یوں دیکھتا کہ جیسے میرا مذاق اڑا رہا ہو۔چند دنوں میں میری حالت ویسی ہوگئی جیسی کہ محبت میں دھوکا کھانے والوں کی ہوتی ہے۔لیکن اس ہرجائی کو اس کی پرواہ نہ تھی کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔میرا دل کئی بار چاہا کہ واصف کی مرمت کردوں، پرتھوی راج کی طرح اپنی سنجوگتا کو اٹھا کر گھوڑے پر بھگا لے جاؤں مگر ایسا ناممکن تھا کیونکہ گھوڑا چلانا مجھے نہیں آتا تھا۔دل میں بہت سے خیالات آئے کہ نائلہ کے چہرے پر تیزاب ڈال دوں تا کہ یہ ہرجائی چہرہ کوئی اور نہ دیکھ سکے۔مگر میں اس کو ایسا سبق سکھانا چاہتا تھا تا کہ وہ کبھی بھی کسی سے بے وفائی کے بارے میں سوچ نہ سکے۔پھر ایک روز میری محبت کا تاج محل پوری طرح سے زمین بوس ہوگیا۔کارڈ دیکھ کر میرے غصے کی انتہا نہ رہی پھر میں نے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

دوسرے دن آفس میں میرا موڈ خراب رہا۔اسی دوران لنچ کا وقت ہوگیا۔سب لوگ لنچ کے لئے اٹھ اٹھ کر جانے لگے تھے۔اس دن واصف بیگ غیر حاضر تھا۔میں اٹھ کر اس کے پاس جا پہنچا۔میرے ہاتھ میں واصف بیگ کی فتح کا اعلان موجود تھا۔

''یہ کیا ہے؟''میں نے شادی کارڈ کو اس کی میز پر پٹخ دیا۔

''جو تم دیکھ رہے ہو۔''اس نے لاپروائی سے کہا اور اٹھ کر جانے لگی تھی۔

''وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ شادی کارڈ ہے،لیکن میرا سوال یہ ہے کہ شادی کا وعدہ تو میرے ساتھ تھا۔''میرا لہجہ تلخ تھا۔

میری بات سن کر وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی اور پھر بولی۔

''وعدے تو ہوتے ہی توڑنے کے لئے ہیں۔''

”تو تم سے محبت نہیں تھی۔“

میری بات سن کر وہ ہنس پڑی۔اس کی ہنسی سے طنز صاف ظاہر تھا۔

”مجھے ہر اس انسان سے محبت ہے جو دولت مند ہے۔واصف بیگ تم سے زیادہ دولت رکھتا ہے۔اس لیے مجھے اس سے محبت ہے۔اس کے پاس اپنا گھر ہے، گاڑی ہے، اچھی سیلری ہے۔سب سے بڑی بات وہ اکیلا ہے اور مجھے کیا چاہیے۔“

”گھر تو میرے پاس بھی ہے۔“

میری بات سن کر وہ ہنس پڑی۔

”دو کمروں کے فلیٹ کو تم گھر کہتے ہو۔واصف کا گھر جا کر دیکھو، آنکھیں کھل جائیں گی تمہاری۔“

اس کی بات سن کر مجھے اتنا شدید غصہ آیا کہ میرا ہاتھ اٹھ گیا۔ایک بھرپور قسم کا تھپڑ تھا جو سوغات بن کر اس کے چہرے پر پڑا تھا۔میرا تھپڑ کھا کر وہ بھوکی شیرنی کی طرح میری طرف لپکی تھی۔اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسوؤں کے ساتھ غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔جیسے ہی وہ میری طرف لپکی تھی میں نے اس کو بالوں سے پکڑ لیا۔

”جنگلی۔۔۔سور۔۔وحشی۔۔۔چھوڑو میرے بال مجھے درد ہو رہا ہے۔“

جواب میں نے بال چھوڑ کر اس کی کلائی کو پکڑ لیا اور اس شدت سے مروڑا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔اس کی چیخ سن کر آفس بوائے جو کہ سیٹھ کے کمرے کی صفائی کر رہا تھا۔میری جانب لپکا۔آفس بوائے نے بڑی ہی پھرتی سے اس کی کلائی کو مجھ سے چھڑا لیا۔

”امجد صاحب، یہ کیا کر رہے ہیں۔میں آپ کی شکایت کروں گا۔“

آفس بوائے کا نام تنویر تھا۔سیٹھوں کا بڑا منہ چڑا اور بدتمیز تھا اور سیٹھوں کے کافی قریب

ہونے کے سبب اسٹاف سے کافی بدتمیزی بھی کرتا تھا۔

''تم نے ہمت کیسے کی ہمارے بیچ آنے کی۔'' میرا لہجہ انتہائی سخت تھا۔

''یہ آفس ہے امجد صاحب۔'' آفس بوائے نے کہا۔

لیکن میں نے جواب دینے کے بجائے اس کو بھی تھپڑ جڑ دیا۔ تھپڑ کھاتے ہی وہ بدکا، دوسرے ہی لمحے اس کا بھرپور گھونسا میرے جبڑے پر پڑا تھا۔

نائلہ یہ سب دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی مجھے گھونسا لگا، میں نے نائلہ کے ہونٹوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ دیکھی، جیسے وہ کہہ رہی ہو تمہاری مردانگی صرف ایک عورت پر ہی ظاہر ہوسکتی ہے۔ اس کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ میں نے تنویر کو پلٹ کر دھکا دیا۔ دھکا زیادہ ہی زوردار تھا، تنویر تیورا کر دور جا گرا۔ اس کے سر پر چوٹ لگ گئی۔ اس کے سر پر چوٹ لگتی دیکھ کر نائلہ چلائی۔ اسی دوران اسٹاف بھی آگیا تھا۔ تنویر تو میرے خطرناک تیور دیکھ کر پہلے ہی دبک گیا۔ آفس کا دوسرا اسٹاف اب جمع ہونا شروع ہوگیا تھا۔ سب مجھے طنزیہ نظروں سے گھور رہے تھے۔ جیسے کہہ رہے ہوں تم غصہ کرنے اور بھڑکنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتے۔ ان کی مسکراہٹ ایسی تھی کہ جیسے میرا مذاق اڑ رہی۔ ھو یہ سب دیکھ کر نائلہ کو خطرناک حالات کی دھمکیاں دیتا ہوا آفس سے باہر نکل آیا۔

پورا دن میں یوں ہی گھومتا رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اب مجھے کام سے نکال دیا جائے گا۔ میں پورا دن یونہی بے مقصد گھومتا رہا۔ رات گئے میں اپنے فلیٹ میں واپس آگیا تھا۔ شدید غصے کی حالت میں تیز تیز سیڑھیاں چڑھتا ہوا جوتوں سمیت بیڈ پر دراز ہوگیا۔ وہ رات مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں نے نائلہ کو نفرت بھرے وائس اپ کیے تھے جس میں میں نے اسکو نہایت ہی خطرناک نتائج کی دھمکیاں دی تھیں کہ میں اس کو جان سے ماردوں گا،

اس کے چہرے کو تیزاب سے جلا دوں گا۔۔نا جانے کیا کیا۔اس کے بعد نا جانے کب میری آنکھ لگی، مجھے یاد ہی نہیں رہا بس۔اتنا یاد ہے کہ مجھے کسی نے جھنجھوڑ کر جگایا تھا۔اس بری طرح سے جھنجھوڑے جانے پر میری آنکھ کھل گئی۔آنکھ کھلتے ہی مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ میرے سامنے وہی کمبل پوش تھا۔بدبو سے پورا کمرہ مہک رہا تھا۔وہ میرے بیڈ پر بیٹھا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ میرے کمرے کی لائٹ کھلی تھی۔۔وہ میرے بیڈ پر بیٹھا مجھے استہزائیہ نظروں سے گھور رہا تھا۔

''کیوں، دھوکہ دے دیا ناں، پریمیکا نے۔'' اس نے طنزیہ انداز سے کہا۔

ایک تو میں پہلے سے ہی پریشان تھا۔دوسرے اس طرح جگائے جانے پر میرا دماغ گھوم گیا۔

''تم کو اس سے کیا مطلب۔میرا معاملہ ہے میں جانوں میرا کام۔'' میرے لہجے میں غصہ تھا۔

''تو بدلہ نہیں لے گا اس ہرجائی سے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''نہیں، تو چلا جا یہاں سے۔'' میں نے غصے سے بھناتے ہوئے کہا۔

میری بات سن کر وہ ہنس پڑا۔کافی دیر تک ہنسنے کے بعد وہ بولا۔

''چل تیرا بدلہ لیتے ہیں۔ہمیں کالی پہاڑی جانا ہوگا آج پورن ماسی کی رات ہے۔اگر یہ رات گئی تو کبھی نہیں آئے گی۔'' اس نے میری طرف دیکھ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''میں کہیں نہیں جاؤنگا۔''

میری بات سن کر وہ ہنس پڑا اور اس نے مجھے غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔مجھے ایسا لگا کہ جیسے اس کی آنکھوں سے نیلی پیلی چنگاریاں نکل کر میری آنکھوں کے پار ہو رہی ہوں۔

''اُٹھ اور کپڑے بدل لے۔۔باہر تجھے ایک کار ملے گی۔۔اس کار میں سوار ہو جانا۔''

اس کی بات سن کر میں نے کوئی تعرض نہ کیا اور تنویمی انداز میں اٹھ کر کپڑے تبدیل کیے

اور فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ جیسے ہی میں باہر نکلا، چاند کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ روڈ پر مجھے سیاہ رنگ کی ایک کار نظر آئی۔ اس کا میک موڈل کیا تھا یہ تو مجھے یاد نہیں البتہ اتنا یاد ہے وہ بہت پرانی کار تھی۔ میں نے دیکھا کہ کار کی پچھلی سیٹ پر نائلہ تھی۔ کار کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر بہت تیز اور گہرا قسم میک اپ ہوا تھا۔ اتنے تیز اور گہرے قسم کے میک اپ میں، میں نے اسکو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ نائلہ کو دیکھ کر میرا دماغ غصے سے پھٹنے لگا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک فلیٹ ہیٹ والا شخص موجود تھا جس کی جھکی ہوئی ہیٹ کے سبب مجھے اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ڈرائیور نے مجھے دیکھ کر کہا۔

''میرے ساتھ آ کر کار میں بیٹھ جاؤ۔'' آواز قدرے بھاری پھٹی ہوئی تھی۔

میں بغیر کسی تعرض چپ کر کے اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ کار چل پڑی تھی۔ ابھی تک مجھے وہ کمبل پوش دکھائی نہیں دیا تھا۔ ایک بات سب سے حیرت انگیز تھی کہ کار میں بیٹھتے ہی وہی ناگوار سی بدبو میں نے محسوس کی تھی۔ جیسے ہی وہ بو میری ناک سے ٹکرائی مجھے ایک جھٹکا سا لگا اور میری حالت بھی نائلہ جیسی ہو گئی۔

☆......☆......☆

آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کار ایک ایسی جگہ کھڑی ہے جہاں چاروں طرف پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں۔ چاند کی روشنی میں وہ پہاڑیاں بھوتوں کی مانند لگ رہی تھیں۔ کار میں، میں اکیلا تھا۔ نہ ہی نائلہ تھی اور نہ ہی وہ ڈرائیور۔ مجھے شدید قسم کی سردی کا احساس ستا رہا تھا۔ کمبل پوش مجھے لے تو آیا تھا لیکن خود کہاں تھا۔ یہ مجھے نہیں پتہ تھا۔ اب میرا ذہن پوری طرح سے بیدار تھا۔ میں حیران تھا کہ میں اپنے گھر کے اس آرام بستر سے وہاں کیسے پہنچا۔ مجھے یاد آیا کہ کمبل

پوش میرے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا تھا اور اس نے مجھے اپنے زیر اثر لے کر گھر سے باہر نکلنے کو کہا تھا۔ مجھے اس جگہ سے خوف محسوس ہونے لگا۔ سردی کا شدید احساس تھا۔ جس سے میرے دانت بجتے سے محسوس ہو رہے تھے۔

اچانک میرے کانوں نے پانی گرنے کی آواز سنی، ساتھ ہی ساتھ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی سریلی آواز میں گا رہا ہے۔ یہ آواز کسی عورت کی معلوم ہوتی تھی۔ رات کی تنہائی اور عورت کے گانے کی آواز بڑا ہی پراسرار سا ماحول تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہالی وڈ کی خوفناک فلموں کی شوٹنگ ہو رہی ہو۔ میں نے کار تارچ نکالی ہی تھی کہ اچانک مجھے وہی پراسرار آدمی دکھائی دیا جو کہ کار چلا رہا تھا، ساتھ ہی وہ بدبو بھی محسوس ہوئی تھی جو کہ کمبل پوش کا خاصہ تھی۔ وہ آدمی مجھے اشارے کر رہا تھا، لیکن میں نے اس کے اشارے کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پراسرار آدمی چند لمحے تک میری طرف دیکھتا رہا اور پھر آہستہ سے میری طرف چلا آیا۔ جیسے ہی وہ میرے قریب آیا، میں نے پھر وہی بدبو سونگھی اور ساتھ ہی میرا ذہن بے سدھ ہو گیا۔ اب اس نے اشارہ کیا اور میں اس سیاہ پوش کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ چاند کی روشنی میں ماحول بڑا پراسرار محسوس ہو رہا تھا۔ کسی عورت کے گانے کی آواز اب تک میرے کانوں کو سنائی دے رہی تھی۔ اس کی آواز میں بہت زیادہ درد و کرب تھا۔ گانا کون سی زبان میں تھا مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا لیکن تھا ہی بڑا متاثر کن۔

میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اس نے اپنا چہرہ ہیٹ میں چھپا رکھا تھا۔ وہ منحوس کمبل پوش اب تک نہیں دکھائی دیا تھا۔ ہمیں چلتے چلتے کافی دیر ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں چاروں اطراف سرخ رنگ کے پہاڑ تھے اور اس کی زمین بھی سرخ رنگ کی تھی۔ فضا میں عجیب سا دھواں پھیلا ہوا تھا جس کا رنگ

سفید تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس دھویں کے آر پار سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ ہم کافی دیر تک آگے بڑھتے ہی رہے۔ سردی کا احساس بڑھتا ہی جا رہا تھا پھر ایک ایسی جگہ پہنچ کر رک گئے جہاں ایک بڑی دلدل نظر آ رہی تھی۔ وہ سیاہ پوش مجھ سے ایک قدم آگے تھا۔

اچانک میں نے اس دشمن جاں کو دیکھا جو کہ جھومتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ ہاں یہ نائلہ تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ اس نے شراب کے پیگ چڑھا لئے ہوں۔ وہ دلدل کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ سیاہ پوش نے نائلہ نے دیکھ کر اپنی ہیٹ اتار دی۔ اس کو دیکھتے ہی میں اچھل پڑا۔ میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ وہی کمبل پوش تھا جو کہ نہایت مکروہ اور گندا تھا لیکن اس وقت بڑے ہی صاف ستھرے لباس میں ملبوس تھا۔ اس سے اٹھنے والی بدبو بھی کم تھی۔

نائلہ تنویمی عمل کے زیر اثر اس دلدل کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ یوں جھوم رہی تھی جیسے اس پر بہت زیادہ نشہ سوار ہو۔ کمبل پوش سیاہ پوش نے نا جانے کہاں کالی دیوی کا ایک سیاہ مکروہ قسم کا بت نکالا اور دلدل کے سامنے رکھ دیا۔ بت کا سائز ایک بڑی بوتل جتنا تھا۔ بت کو دلدل کے سامنے رکھ کر وہ سجدے میں گر پڑا۔

”دیوی ماں! میری مدد کر، تیرا یہ سیوک تیری بلی لے کر آ گیا ہے۔ تو اپنے اس سیوک پر کرم فرما۔ اس کی مدد فرما سالوں کی منوکامنا پوری فرما۔ اس کی بلی قبول فرما۔“ اتنا کہہ کر وہ سجدے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ سیدھا میری طرف آ گیا۔ میں ششدر کھڑا اس کو دیکھ رہا تھا۔ نا جانے کون سی اس کی مراد تھی جس کے لئے یہ میرے پیچھے پڑا تھا۔

”یہ لے اپنا بدلہ لے لے۔ مار ڈال اس ہرجائی کو۔ ویسے بھی اس کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔“ اس نے میری طرف خنجر بڑھاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

''نن۔نہیں اس کا گناہ ایسا تو نہیں جس پر اس کو موت کی سزا دی جائے۔'' میں نے خوف سے کہا۔

''یہ۔۔تو کرنا ہوگا تجھے۔'' وہ مسکرایا۔ساتھ ہی اس نے مجھے تیز نظروں سے گھورنا شروع کر دیا۔اس کی چھوٹی سی مکروہ آنکھوں سے برقی رو نکل کر مجھ میں منتقل ہو گئی۔اب میں پوری طرح سے اس کی نگاہوں کے سحر میں تھا۔میں خنجر لے کر اس کی طرف بڑھا۔میں دنیا کا پہلا انسان ہونگا جس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبت کا قتل کیا ہوگا۔نائلہ کے گلے پر خنجر پھرتے ہی اس کے حلق سے ایک دل خراش چیخ نکلی اور بہت سا خون نکل کر اس دلدل میں گرنے لگا۔نائلہ تیورا کر زمین پر گری اور تڑپنے لگی۔اپنی محبت کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر میرا دل خون خون ہو گیا۔نائلہ کو مرتا دیکھ کر اس مردود کے ہونٹوں پر بڑی پراسراری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''بلی پوری ہوئی۔دلدل میں ہاتھ ڈال کر میری چیز باہر نکال دے جس کی مجھے سخت ضرورت ہے۔'' اس نے مجھے حکم دیا۔

میں نے فوراً ہی دلدل میں ہاتھ ڈال دیا۔ہاتھ ڈالتے ہی ایک ٹھوس چیز سے میرا ہاتھ ٹکرایا۔اچانک ایک تیز قسم کی مردانہ چیخ سے میرا ہاتھ لرز گیا اور وہ چیز میرے ہاتھ سے نکال گئی۔میں فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔جیسے ہی میں اٹھا،مجھے کسی نے زوردار دھکا دیا۔میں نے اس پراسرار شخص کے آنکھوں میں مایوسی دیکھی اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔تو گویا یہ سب خواب تھا۔

وہ کمبل پوش مردود میرے اعصاب پر اس قدر سوار تھا کہ اس نے خوابوں میں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔جب میرے حواس بحال ہوئے تو میری نظر گھڑی پر پڑی۔صبح کے پانچ کا وقت تھا۔نا جانے کیوں میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ سب خواب نہیں۔اچانک میری نظر اپنے سیدھے ہاتھ پر پڑی۔اپنے ہاتھ کو دیکھ کر میں چونک

گیا۔ میرا ہاتھ کہنی تک کیچڑ میں بھرا ہوا تھا۔ میں فوراً ہی اٹھ کر غسل خانے کی طرف بھاگا۔ جیسے ہی میں نے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا، میں حیرت وخوف سے اچھل پڑا۔ میری پوری شرٹ خون سے لال ہو چکی تھی۔

میں فوراً ہی نہایا، کپڑے تبدیل کیے اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ بالآخر نیند کی دیوی کو مہربان ہی ہونا تھا۔

شدید قسم کی دھڑ دھڑاہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی دروازے پر تھا جو دروازے کو بری طرح سے پیٹ رہا تھا۔

''کون ہے۔''

''دروازہ کھولو۔'' ایک تحکمانہ قسم کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''جواب دو۔ پھر کھولوں گا۔'' میں نے بھی اسی طرح جواب دیا، لیکن اس کے جواب کے بجائے دروازے پر پڑنے والی ٹھوکروں میں مزید شدت آ گئی۔ لکڑی کا معمولی سا دروازہ تھا۔ کمزور تھا، وہ ٹھوکریں برداشت نہ کر پایا اور کھل گیا۔ وہ تعداد میں پانچ تھے جو کہ ملک الموت کی طرح نازل ہوئے تھے۔ پولیس والے مجھ پر یوں ٹوٹ پڑے جیسے میں کوئی عادی مجرم ہوں۔ پل بھر میں ہی انہوں نے مجھے بے بس کر دیا۔ پھر مجھے وہ دھکے دیتے ہوئے نیچے لے گئے اور کسی جانور کی طرح پولیس وین میں پٹخ دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس جرم کی پاداش میں اس جانوروں جیسے سلوک کا مستحق ہوا ہوں۔ پولیس وین میں مجھے سارے سنتری یوں گھور رہے تھے جیسے قصائی بکرے کو گھورتا ہے۔ ان کی تیز نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے میں نے اپنی نظریں جھکا لیں اور خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔

☆......☆......☆

حالات نے جس تیزی سے رخ بدلا تھا اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کل تک ایک معمولی کلرک آج قانون کا ایک مجرم بن چکا تھا۔ نا جانے ایسا کون سا گناہ تھا جو مجھے ان حالات کا سامنا تھا۔ تھانے پہنچ کر مجھے ایک ایسے کمرے میں لے جایا گیا جہاں ایک جلاد صفت پولیس آفسر پہلے سے منتظر تھا۔ اس کی بڑی بڑی وحشت ناک آنکھوں میں وہ تمام کیفیات تھیں جو کسی مجرم کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہیں۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر تناؤ پیدا ہو گیا۔ وہ مجھے اس طرح گھورنے لگا جیسے کچا چبا جانے کے امکانات پر غور کر رہا ہو۔ اس کو دیکھ کر میں نے سوچا، اگر میں نے ذرا بھی بزدلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ کیا تو میرے حق میں بہتر نہ ہو گا چنانچہ میں نے اپنے دل کا فیصلہ قبول کرتے ہوئے دل کڑا کر کے قدرے تلخ لہجے میں اس سے پوچھا۔

''میرا جرم کیا ہے۔''

''تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔'' اس نے بھنویں چڑھا کر کچھ ایسے سرد لہجے میں جواب دیا کہ میں گڑبڑا گیا اور میری جمع شدہ ساری ہمت جواب دینے لگی۔

''اگر مجھے حالات کا علم ہوتا تو آپ سے کیوں دریافت کرتا۔''

''نائلہ کو جانتے ہو۔'' ایس پی نے مجھے گھورتے ہوئے کڑے تیوروں سے پوچھا۔ وہ پولیس افسر اپنے تیوروں سے سخت گیر معلوم ہوتا تھا۔

''میری اس سے شادی ہونے والی تھی۔''

''اور جب اس نے شادی سے انکار کیا تو تم نے اس کو قتل کر دیا۔''

نائلہ کے قتل کی بات سن کر میں بھونچکا رہ گیا۔ گزشتہ رات والا خواب میرے ذہن میں گھوم گیا تو گویا وہ خواب نہیں تھا، مگر میں نے نائلہ کو حالت خواب میں قتل کیا تھا مگر وہ حقیقت میں مر جائے گی۔ یہ مجھے پتہ نہیں تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر وہ افسر مجھے گھورتا ہوا بولا۔

”تم نے بڑی ہی بے دردی سے اس کا گلا کاٹا، مگر ایک بے وقوفی کر گئے، خنجر لاش کے پاس چھوڑ کر ہی فرار ہو گئے۔“

”میں نے اس کا خون نہیں کیا۔“ میں نے چلا کر کہا۔

”بکومت۔ سیدھی طرح اقرار جرم کرلو۔ اگر خنجر سے تمہاری انگلیوں کے نشانات برآمد ہو گئے۔ تمہارے لئے برا ہو جائے گا۔“ وہ چیخ پڑا۔

”میں نے کچھ نہیں کیا۔“

”ہمیں سب معلوم ہے تمہارے آفس کا پیون اور سارا اسٹاف تمہاری لڑائی کا گواہ ہے۔“ اس نے چیخ کر کہا۔

”میں بے گناہ ہوں۔“

اس پر ایس پی دانت پیس کر قہر آلود لہجے میں کہا۔

”لگتا ہے تمہاری ڈرائنگ روم سے واقفیت نہیں۔ تمہارے جیسے بے گناہ فرفر بولنے لگتے ہیں۔ میں تم کو شام تک مہلت دیتا ہوں۔ اس کے بعد میں تمہاری سیر ڈرائنگ روم سے کرواؤں گا۔“ اتنا کہہ کر اس نے اپنے ماتحت کو کہا۔ ”اس کے فنگر پرنٹس لو اور ایگزامن کے لئے بھیج دو۔“

اس کے بعد وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس افسر کے چلے جانے کے بعد دو سنتریوں نے مجھے وہاں سے اٹھایا اور ایک لاک میں لا کر پٹخ دیا تھا۔

دن کے گیارہ بج چکے تھے۔ میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا، لیکن خوف و دہشت نے مجھ سے میری بھوک بھی مر گئی تھی۔ مجھے ہر لمحہ، ہر آن پھانسی کا پھندا جھولتا نظر آ رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ آلہ قتل پر میری انگلیوں کے نشانات ملیں گے لیکن میں بے گناہ تھا۔ میں نے کسی

کا قتل نہیں کیا تھا۔ اس کمبل پوش مکروہ انسان کے کالے جادو کے سحر سے اس نے خواب کو حقیقت میں بدل دیا تھا۔ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ لاک اپ کی ٹھنڈی زمین پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ کاش میں جذبات میں آ کر نائلہ کو دھمکیاں نہ دیتا تو یہ صورتِ حال مجھے نہ دیکھنی پڑتی۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد ایک اور قیدی کو لاک اپ میں ڈال دیا گیا۔ زندگی میں پہلی بار کسی مجرم کو دیکھا تھا۔ وہ شخص صورت سے چھٹا ہوا بدمعاش لگتا تھا۔ اس کی عمر چالیس بیالیس سال کے آس پاس تھی۔ وہ قیدی ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ بیٹھا رہا اور پھر اونگھنے لگا۔ کچھ ہی لمحات کے بعد وہ منہ ادھر کر کے کروٹ بدل کے سو گیا۔ کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اس کے خراٹے لاک اپ میں گونجنے لگے تھے۔ اس کے خراٹوں سے نہایت تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

''بھائی! اپنے خراٹے بند کرو مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔'' میں نے زور سے چلا کر کہا۔

خراٹے بند ہونے کے بجائے اور مزید بڑھ گئے۔ میں اس بات سے مزید جھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔ میں اس کے قریب گیا اور اس کے شانے کو ہلا دیا۔ شانے کے ہلتے ہی قیدی نے اپنا چہرہ گھما دیا۔ قیدی کا چہرہ دیکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ کوئی اور نہیں وہ کمبل پوش تھا۔ وہ اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مکروہ اور ناپاک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

''تم۔۔۔'' میں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھ کر کہا۔

''ہاں کہو۔ دماغ ٹھکانے آیا کہ نہیں'' وہ ہنس کر بولا۔

''نائلہ کا خون تم نے کیوں کیا؟''

''ہرجائی تھی ناں وہ، اس کا مرنا ضروری تھا'' اس نے بدستور اسی لہجے میں جواب دیا۔

”تم نے اس کا خون کر کے مجھ پر کیوں الزام دھرا۔“

”ہم نے کہاں خون کیا، خون تو تُو نے کیا۔ اور خون کرتا نہیں اپنی ودیا سے کرواتا ہوں۔ اسی رات اپنی ودیا سے تم کو اس ہرجائی کو اپنے میں وش میں کر لیا تھا۔ اور دیوی کی بلی دے دی۔“

”بلی (قربانی) مگر کیوں۔“ میرے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

”یہ ایک راز ہے گہرا راز۔ مطلب یہ کہ بھولے لال میرا کام تو ہی کر سکتا ہے اور کوئی نہیں۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

میری بات سن کر وہ چند لمحوں تک مجھے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

”جب تُو نے جنم لیا اس وقت پورن ماسی کی رات کی چندرما کی کرنیں تیرے ہاتھ پر بنے ہوئے قدرتی چندرما کے نشان کو چھو رہی تھیں۔ اور ایسے لوگ چندر پتر کہلاتے ہیں اور ورشوں میں پیدا ہوتے ہیں۔“

اس کی بات سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور مجھے غصہ آنے لگا۔ اپنی اس توہم پرستی پر اس نے میری زندگی برباد کر دی تھی۔ واقعی میرے دائیں ہاتھ پر چاند کا نشان قدرتی تھا اور میری والدہ بتاتی تھیں جب میں پیدا ہوا تو آسمان پر پورا چاند تھا اور روشنی کی کرنیں اس نشان کو چھو رہی تھیں۔ میرا دل چاہا کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں۔

”تیرا جو بھی کام ہے وہ تو میں نہیں کرونگا۔“

میری بات سن کر وہ ہنس پڑا اور بولا۔

”مادھون کو انکار پسند نہیں ہے۔ سمجھا تو۔“

”میں تو نہیں کروں گا۔ ہاں اپنی نائلہ کا بدلہ ضرور تجھ سے لوں گا۔“

”لگتا ہے تجھے تھوڑی اور دوا دینی ہی پڑے گی۔“

ابھی وہ کچھ سمجھ ہی پاتا کہ میں نے اس کے گلے کو پکڑ لیا۔ یہ بھول گیا کہ وہ کس قدر شیطانی قوتوں کا مالک ہے۔ میرا گلا پکڑتے ہی اس کے منہ سے دلدوز چیخیں نکلنے لگی تھیں۔ اس کے چلانے کی آواز سن کر جیل کا سارا عملہ لاک اپ میں جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ انہوں نے کوشش کی تھی کہ مادھون کو میرے شکنجے سے چھڑا سکیں مگر وہ اس میں ناکام رہے تھے۔ بس مجھے اتنا یاد تھا کہ یہ میری نائلہ کا قاتل ہے، جیل کے سنتریوں نے مادھون کو مجھ سے چھڑانے کی بھرپور کوشش کی، لیکن جب کامیاب نہ ہوئے تو میرے سر پر رائفل کے بٹوں کا استعمال کیا گیا۔ ایک ضرب میں اس کی گردن میرے شکنجے سے نکل گئی، لیکن اس وقت مادھون مر چکا تھا، لیکن اس کا چہرہ دیکھتے ہی میری آنکھیں کھل گئیں۔ یہ مادھون نہیں کوئی اور تھا۔ گویا مادھون نے ایک خون اور میرے سر منڈھ دیا تھا۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ ہوش آیا تو ہسپتال کا کمرا تھا۔ ٹھیک ہونے میں دو ماہ لگ گئے۔ ان دو ماہ میں وہ مجھے دوبارہ نظر نہ آیا۔ جب تک میں ہسپتال میں رہا۔ ہر آنکھ میں میرے لئے نفرت تھی۔ نائلہ اور قیدی کو قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔ عدالت نے میری ایک نہ سنی۔ میں نے لاکھ یقین دلایا کہ میں نے کوئی قتل نہیں کیا مگر وہ نہ مانے اور مجھے پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔

جس کوٹھری میں مجھے بند کیا گیا تھا اس کی زمین کھردری تھی۔ زمین پر لیٹ کر میں نے ٹھنڈی سانس لی اور سوچنے لگا کہ اب کیا ہوگا۔ جیل کے سارے لوگ مجھے نفسیاتی سمجھ رہے تھے کہ محض خراٹے لینے پر ایک بندے کو قتل کر دیا تھا۔ پھانسی کا پھندا میری آنکھوں کے سامنے جھول رہا تھا۔ کچھ دنوں میری زندگی کی کہانی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ اچانک ایک وہی ناگوار بدبو میری ناک سے ٹکرائی۔

''اب بھی تو بچ سکتا ہے۔ اگر تو میری بات مان لے۔ ورنہ سوچ گردن لمبی ہو جائے گی۔'' ایک سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔ پھانسی کے تصور سے ٹھنڈے پسینے میرے ماتھے سے پھوٹ پڑے میں سوچ میں پڑ گیا۔

''جیون بھی بہت قیمتی ہے۔ سوچ مت۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو بہت خزانہ ہمارا ہو گا۔'' اس کی آواز پھر میرے کانوں سے ٹکرائی۔ خزانہ کے نام پر میری آنکھیں کھل گئیں۔

''میں تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں۔'' میں نے حالات سے سمجھوتہ کرنے میں ہی بہتری سمجھی تھی۔ میری بات پر پوری کوٹھڑی میں وہی ناگوار سی بدبو پھیل گئی میرا دم گھٹنے لگا اور پھر میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

☆......☆......☆

دوبارہ آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک عالیشان اور سجے ہوئے بستر پر پایا تھا۔ کمرا نہایت ہی یخ بستہ تھا۔ میرے حواس آہستہ آہستہ بحال ہو رہے تھے۔ میں دیر تک پڑا اپنے بارے میں سوچتا رہا کہ میرے ساتھ ہوا کیا۔ پوری طرح سے حواس بحال ہونے کے بعد میں اٹھ بیٹھا۔ میں نے دیکھا کہ کمرا صاف ستھرا اور ضروریات زندگی کی چھوٹی موٹی چیزوں سے آراستہ تھا۔ مجھے اچانک یاد آنے لگا کہ ابھی کچھ دیر پہلے میں پھانسی کا انتظار کرتے ہوئے کال کوٹھری میں تھا اور پھر مادھون نے وہاں سے فرار کروا کر کے یہاں پہنچا دیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ میرے قدم کھلے ہوئے دروازے کی جانب اٹھ گئے لیکن میں درمیان میں ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ کمرے میں موجود آہنی الماری کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر ایک لحظہ کے لئے مجھے اپنے وجود پر شبہ ہوا تھا کہ یہ میں ہوں یا کوئی اور۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی وجود کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

میرے جسم پر کھدر کا کرتا اور پاجامہ موجود تھا۔ میرے سر کے بال بڑھے ہوئے تھے اور داڑھی میں بھی بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ پہلی بار تو میں اپنے آپ کو پہچان ہی نہیں پایا تھا۔ اتنی جلدی میرے اندر اتنی تبدیلیاں کیسے پیدا ہو گئیں۔ کہیں ایسا تو نہیں میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں اپنے اندر ان تبدیلیوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک میں نے قدموں کی آہٹ سنی۔ میں نے پلٹ کر دروازے کی سمت نگاہ ڈالی۔ جیسے ہی دروازہ کھلا میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ میری نگاہوں کے سامنے ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔ اس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے چہرے پر بہت معصومیت تھی اس کو دیکھ کر مجھے نائلہ یاد آ گئی۔ وہ بھی بہت زیادہ حسین تھی۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ بالکل جھیل کی گہری شراب کی طرح نشیلی۔ اس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کے سے تھے۔ غرض اتنی خوبصورت اور حسین لڑکی میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے کاسنی رنگ کی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔

''کہاں جا رہے ہیں سرکار۔'' وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''مادھون صاحب کا حکم ہے آپ کہیں نہ جائیں۔'' وہ پھر سے مسکرا کر بولی۔ اس کی مسکراہٹ زندگی سے بھرپور تھی۔

''کہاں ہے وہ۔''

ابھی وہ لڑکی کچھ جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ اچانک میرے نتھنوں سے ایک تیز قسم کی خوشبو ٹکرائی تھی۔ وہ خوشبو اس قدر شدید تھی کہ مجھے اپنی ناک بند ہوتی محسوس ہوئی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے اس نے پرفیوم کی پوری بوتل اپنے اوپر انڈیل لی ہو۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والے شخص کو دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اتنی تیز خوشبو اس کی پاس سے آ رہی تھی۔

یہ کوئی اور نہیں مادھون تھا۔ غالباً اس نے اپنے پاس سے آنے والی بدبو سے بچنے کے لیے اتنی زیادہ تیز خوشبو کا استعمال کیا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اتنا غلیظ اور بدبودار انسان جو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، اتنے صاف اور نفیس کپڑوں میں میرے سامنے موجود تھا۔ آج میں اس کو پہلی بار اتنے اچھے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک اسمارٹ انسان تھا اس نے گرے رنگ کا سفاری سوٹ پہن رکھا تھا جس میں وہ بہت جچ رہا تھا۔

''کیا دیکھ رہا ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''دیکھ رہا ہوں کہ غلاظت کے ڈھیر میں پھول کیسے کھل گئے۔''

میری بات سن کر وہ ہنس پڑا۔

''ہم نے سوگند کھائی تھی کہ تو مل جائے گا تو ہم نہائیں گے۔''

اس کی بات سن کر میں حیران رہ گیا واقعی اس کی طرح اس کی قسم بھی نرالی تھی۔

''بھوک لگی ہے۔ کچھ کھائے گا۔''

''ہاں کھاؤں گا لیکن یہ تو بتاؤ کہ میرا حلیہ کیسے بدل گیا۔''

''بس یہ ہماری شکتیوں کا چمتکار ہے۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں بیڈ پر واپس جا کر بیٹھ گیا۔ بھاگنے کا سوال ہی نہ تھا میں جہاں بھی جاتا تو یہ مجھے ہی پکڑ لیتا۔ اگر میں اس سے بچ بھی جاتا تو قانون سے کہاں بچ پاتا۔ اب تک مجھے جگہ جگہ ڈھونڈا جا رہا ہوگا۔ اپنی جان بچانے کے لئے میں نے اس کا ساتھ تو دے دیا لیکن عہد ضرور کیا تھا کہ نائلہ کی موت کا بدلہ ضرور لونگا۔ لڑکی میرے ہی سامنے کھڑی تھی اور مجھے شوخ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ بلاشبہ وہ نہایت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ میں نے سوچا کہ

لڑکی سے تھوڑی باتیں کرنی چاہئیں اس لئے میں نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"جی۔۔کامنی۔" اس نے شرما کر کہا۔اس کی یہ ادا مجھے بہت اچھی لگی تھی۔

"تم بہت خوبصورت ہو۔"

میری بات سن کر اسکی کنول سی آنکھوں میں پھول کھل اٹھے تھے

"تم مادھون کے پاس کب سے ہو؟" میں نے سوال اس لئے کیا تھا کہ مادھون جیسے غلیظ انسان کے پاس اتنی خوبصورت لڑکی کیسے رہ سکتی ہے۔

ابھی وہ جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ اچانک مادھون کمرے میں داخل ہوا۔اس کے ہاتھ میں ایک اور ایک کٹورا تھا۔اس نے پلیٹ میرے سامنے رکھ دی۔اس پلیٹ میں سفید چاول جس پر سبزی ڈلی ہوئی تھی اور کٹورے میں براؤن رنگ کا کوئی مشروب موجود تھا جس سے اٹھنے والی مہک بہت عجیب سی تھی۔

"لے کھالے۔۔اور اس کو پی لے۔یہ سوم رس ہے،دیوتاؤں کا رس۔"

چاول تو میں نے کھالے مگر اس براؤن رنگ کے مشروب کو پینے کا میرا دل نہیں چاہ رہا تھا، لیکن مادھون کے مجبور کرنے پر میں نے اس کو اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ پہلا گھونٹ جیسے ہی میرے حلق سے اترا،میرے جسم میں سینے میں جیسے آگ سی لگ گئی۔دوسرا گھونٹ حلق سے اترتے ہی مجھ پر سرور کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مجھے سرور میں آتا دیکھ کر مادھون اور لڑکی ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

میرا دماغ بری سے لہرانے لگا تھا۔ مجھے مادھون اور وہ لڑکی ایک سے دو نظر آنے لگے تھے۔میری یہ کیفیت دیکھ کر مادھون نے اس لڑکی کو مخاطب کیا۔

”اے اندر دیوتا کی اپسرا، میں تجھے آگیا دیتا ہوں۔ دیوتاؤں کے کہے کے انوسار اپنے دھرم کا پالن کر۔۔“

لہراتے ہوئے دماغ سے میں نے صرف اتنا دیکھا کہ وہ لڑکی مسکراتی ہوئی میرے نزدیک آئی اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ پکڑتے ہی میرے جسم میں خون کی جگہ جیسے پٹرول گردش کرنے لگا۔ پھر اچانک کمرے کی ساری روشنیاں گل ہوگئیں۔

☆......☆......☆

وہ لڑکی نا جانے کس وقت گئی یہ تو مجھے پتہ نہیں لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ لمحات جیسے میری زندگی کا حاصل رہے تھے۔ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود بھی میں اس لڑکی کو آج تک نہیں بھول پایا ہوں۔ اس نے چند پلوں کے لئے سہی نائلہ کو میرے دل سے محو کر دیا تھا۔ رات کو نیند کے عالم میں عجیب وغریب خواب دیکھتا رہا تھا۔ کبھی مجھے مادھون ایک سانپ کے روپ میں نظر آتا، کبھی نیولے کے روپ میں لیکن میں اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ مادھون کا مقصد خزانہ ہی نہیں اور بھی ہے۔ اگر صرف خزانہ ہوتا تو اپنی شیطانی قوتوں سے خزانے تک ضرور پہنچ جاتا۔ وہ مقصد کیا تھا یہ بہت جلدی ہی پتہ لگ جانا تھا۔

رات نا جانے کس پہر ایک عجیب سی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ اچانک میں نے اپنے سینے کے پاس دو سرخ آنکھیں دیکھیں۔ میں سمجھ نہ پایا یہ کس کی آنکھیں ہیں۔ دو چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھیں جن میں عجیب طرح کی وحشت تھی۔ اچانک میں نے شور کی آواز سنی۔ پھر پورے ہی کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ اپنی موت کو میں نے اپنے سینے پر سوار دیکھا تھا۔ وہ سرخ رنگ کا ایک چمکیلا سانپ تھا جس کے سر پر گولڈن کلغی تھی۔ وہ میرے سینے پر بیٹھا مجھے غضبناک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسکی مکروہ زبان تیز تیز لپلپا رہی تھی۔ موت کوا

تنے قریب دیکھ کر میرے پسینے چھوٹ گئے۔ مجھ پر جیسے سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ میرے جسم میں اب ہلنے جلنے کی طاقت ہی نہ رہی ہو۔ جو لوگ سانپوں کی اقسام سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں۔ سرخ رنگ کا سانپ کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ اچانک وہ سانپ آہستہ سے پیچھے ہٹنے لگا۔ تھوڑا پیچھے ہٹتے ہی اس نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ پر ڈس لیا۔ سانپ کے ڈستے ہی میرا ذہن تیزی سے غنودگی سے دوچار ہونے لگا۔

امجد بیگ، اب تمہاری کہانی ختم۔ مرتے ہی تم ہی نائلہ کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ وہاں جا کر اس سے معافی مانگ لینا کہ تم نے اس کو بے وفائی کی سزا موت کی صورت میں دی تھی۔

اچانک میں نے تیز قسم کی خوشبو سونگھی۔ پھر میں نے چیخ کی آواز سنی۔ یہ چیخ مادھون کی تھی۔

''ہلنا مت۔ جتنا ہلو گے زہر تیزی سے پھیلے گا۔ وہاں دونوں انگلیاں رکھ لو جہاں اس دھکاری نے ڈسا ہے۔''

میں نے دیکھا کہ مادھون تیزی سے میری سمت دوڑا آرہا ہے۔ سانپ ابھی تک میرے ہی سینے پر سوار تھا۔ مادھون سانپ کو دیکھ کر غضبناک انداز میں غرایا۔

''ست پال، میں تجھے کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔'' اتنا کہہ کر اس سانپ پر ہاتھ ڈال دیا۔ سانپ بری طرح سے تڑپا لیکن مادھون کی گرفت بہت سخت تھی۔ سانپ نے مادھون کے ہاتھ میں آتے ہی تڑپ کر اس کے بھی ہاتھ پر ڈس دیا۔ میرا ذہن تیزی سے اندھیروں میں ڈوب رہا تھا، ہاتھ پر ڈستے ہی سانپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ ذہن کے مکمل ڈوبنے سے قبل میں نے صرف اتنا ہی دیکھا کہ سانپ فرش پر گرتے ہی غائب ہو گیا اور مادھون تیزی سے میری جانب لپکا ہے۔

☆......☆......☆

میں نہیں جانتا مجھے کتنی دیر کے بعد ہوش آیا۔ ہوش آنے کے بعد پہلا احساس میرے جسم میں شدید قسم کی تکلیف کا تھا۔ آنکھوں کے گرد سرخ دھبے ناچ رہے تھے۔ ایسے میں کچھ عجیب و غریب قسم کی آوازوں کی بھنبھناہٹ کانوں میں پڑ رہی تھی جس سے دماغ میں ایک ناگوار سا تاثر ابھر رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ دماغ حاضر نہ تھا ذہن پر دھندسی جمی ہوئی تھی۔

اچانک وہ دھندسی چھٹ گئی۔ نا جانے وہ کون سی جگہ تھی ساری سفید دیواریں پردے، چادر ہر چیز سفید۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کوئی ہسپتال کا کمرا ہے۔ میرے بالکل برابر میں ایک اور بستر ہے جس پر منہ ڈھکے کوئی پڑا ہے۔ شاید وہ کوئی مردہ تھا تو کیا میں مر چکا ہوں۔ کیا یہ ہسپتال کا مردہ خانہ ہے۔ لیکن وہ کمرا کہیں سے بھی مردہ خانہ معلوم نہیں ہوتا تھا، لیکن میرے ساتھ کسی مردے کو کیوں رکھا گیا تھا۔

یہ مردہ خانے ایسے تو نہیں ہوتے۔ اچانک مجھے سارا منظر یاد آنے لگا تھا۔ مجھے کسی سانپ نے کاٹا تھا۔ اچانک مجھے یاد آیا نیم غنودہ ذہن کے ساتھ میں نے مادھون کو اپنی جانب لپکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اچانک میری نظر چھت کے پنکھے پر پڑی۔ پنکھے پر جو کچھ تھا اس کو دیکھ کر میری آنکھیں حیرت وخوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

چھت پر وہی سانپ تھا جو کہ پنکھے سے چپکا ہوا تھا۔ اچانک فین چل پڑا۔ فین کے چلتے ہی وہ سانپ زن کی آواز سے مجھ پر آ گرا۔ سانپ کے گرتے ہی میرے حلق سے چیخیں برآمد ہونا شروع ہوگئیں۔ سانپ اپنی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اچانک میں نے ہمت کرتے ہوئے سانپ کو ایک ہاتھ سے دھکا دیا۔ سانپ فرش پر جا گرا۔ اس کے فرش پر گرتے ہی یکے بعد دیگرے بہت سے سانپ پیدا ہوگئے تھے۔ ہر سانپ کا رنگ دوسرے سانپ سے مختلف تھا۔ وہ سارے سانپ کمرے کے فرش پر پھیلتے ہی جا رہے تھے۔

اچانک میرے برابر والے بستر پر جو منہ ڈھانپے لیٹا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے منہ سے چادر سرکنے لگی تھی۔ چادر کے سرکنے کے سبب اس کی پیشانی نظر آنے لگی۔ اس کی پیشانی پر سفید، چھوٹی سی کوئی چیز نظر آ رہی تھی۔ اس پر میں یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ پھر جو کچھ نظر آیا اس کو دیکھ کر میرے رونگٹے ہی کھڑے ہو گئے۔ وہ سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے باریک چاول کے دانے کے برابر کیڑے تھے جو کہ اس کی پیشانی پر کلبلا رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر خوف سے میرا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کے جسم پر موجود چادر سرک گئی۔

ہزاروں کی تعداد میں سفید سفید کیڑے اس کے جسم پر کلبلا رہے تھے۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر خوف سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ کوئی اور نہیں نائلہ تھی۔ ہاں ہرجائی، بے وفا نائلہ جس سے میں نے محبت کی تھی۔ اس کا چہرا سوج چکا تھا۔ اچانک وہ منہ کھول کر ہنسی۔ کل تک جو ہنسی مجھے بہت خوبصورت لگتی تھی آج اس سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے منہ کے اندر ہزاروں کیڑے کلبلا رہے ہیں۔

''میری بے وفائی کی سزا میری موت تو نہیں تھی۔'' اس نے بیٹھی ہوئی آواز کے ساتھ کہا۔

''مم۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔ میں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دونگا۔''

''نن۔۔ نہیں میں تم کو لینے آئی ہوں۔۔ چلو میرے ساتھ۔۔'' اتنا کہہ کر وہ میری طرف دونوں ہاتھ پھیلائے آگے بڑھنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ فرش پر موجود سانپ اس کے پیروں تلے آ کر پانی بن جاتے۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتی، اس کے جسم کے کیڑے فرش پر پھیل جاتے ان کیڑوں کو سانپ کھانے لگتے۔ اس کو قریب آتا دیکھ کر خوف سے میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر میرے حلق سے دل خراش چیخیں نکلنا شروع ہو گئی تھیں۔ پھر کسی نے مجھے شانوں کو پکڑ لیا۔

”کاہے چیخ رہا ہے۔“

ایک تیز قسم کی خوشبو میری قوت شامہ سے ٹکرائی۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اب تو سارا ہی منظر بدل چکا تھا۔ میں اسی صاف ستھرے کمرے میں تھا اور میرے سامنے مادھون بیٹھا تھا جو مجھے گھور رہا تھا۔ تو گویا میں نے خواب دیکھا تھا مگر پہلی بار میں نے کوئی خواب جاگتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر میں اس واقعے کو خواب تسلیم کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پریشان کن لہجے میں مادھون سے سوال کیا۔

”میں کہاں ہوں۔۔ مجھے سانپ نے کاٹ لیا تھا۔“

”تو میرے ساتھ ہے۔۔ سانپ کا زہر میری ودیا نے بے اثر کر دیا۔“ مادھون کا جواب تھا۔

میں زندہ ہوں یہ بات میرے لئے کافی تسلی بخش تھی۔ لیکن کافی سوالات میرے ذہن میں جواب طلب تھے۔ مادھون کی شخصیت اب میرے لئے پراسرار ہوتی جا رہی تھی۔ وہ سانپ کون تھا اور مجھ ہی پر کیوں حملہ کیا؟ ابھی جو میں نے دیکھا کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرے لئے سچ اور جھوٹ کی تمیز کرنا اب مشکل ثابت ہوتا جا رہا تھا۔ مادھون نے اس سانپ کو ست پال کہہ کر کیوں پکارا تھا؟ ایسے بہت سے سوالات تھے جو کہ ذہن میں کھچڑی بن کر پک رہے تھے۔

”وہ سانپ کون تھا؟“

”وہ سانپ ہی تھا جو کہ تیری جان لینے آیا تھا۔“

”مگر کیوں۔“

”دیوتاؤں نے تیرا امتحان لیا تھا۔“ مادھون کا جواب تھا۔

امتحان کی بات سن کر میں چونک گیا تھا۔ میرا دل گواہی دینے لگا کہ مادھون جھوٹ بول

رہا ہے۔ بات کچھ اور ہے۔ میرا دماغ پکنے لگا تھا۔ اچانک مادھون نے ایک ایسی بات بولی جس سے میں شدید غصہ میں آ گیا۔

''آج سے دو دن کے بعد پورن ماسی کی رات ہے تیرے وچن کے انوسار تو میری چیز نکال کر دے گا۔''

''تیرا کوئی کام نہیں کروں گا۔ جب تک تو مجھے سچ نہیں بتاتا۔''

میری بات سن کر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''دیکھ تیری اتی ہمت نہیں کہ اپنے وچن سے پھر سکے۔۔ پرنتو اگر میں چاہوں تو تُو کتے کی بولی بولنے پر مجبور ہو جائے گا۔'' اسکے لہجے کی سفاکی محسوس کر کے میں کانپ گیا۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب تک مجھے سچ نہیں بتائے گا تب تک میں تیرا کام نہیں کرونگا۔''

میں نے دیکھا کہ میری بات سن کر اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں شیطانی قوتوں کا رقص تیز ہو گیا۔

''لگتا ہے تجھ کو اپنی شکتیوں کا چمتکار دکھانا ہی پڑے گا۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔

کچھ ہی لمحہ گزرے ہوں گے کہ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کچھ پڑھ کر پھونک ماری۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے اس نے تپتی ہوئی ریت میرے منہ پر دے ماری ہو۔ میرا پورا چہرا جلنے لگا۔ ایک آنچ تھی جو کہ میرے چہرے کو جھلسا رہی تھی۔ پھر میری آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرے ناچنے لگے۔ اندھیرے چھٹے تو میں نے اپنے آپ کو لق و دق صحرا میں پایا تھا۔ میرے سر پر شدید دھوپ تھی۔ نہ سایہ نہ ہی کوئی نخلستان بس دھوپ ہی دھوپ، ریت ہی ریت۔ میں اس ریت پر چلنے لگا۔ چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ لڑکھڑا کر گر پڑا، کیونکہ وہ ریت اتنی گرم تھی کہ

میرا چلنا دشوار تھا۔ میرا سر بری طرح سے چکرا رہا تھا۔ پیاس سے میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔

میں لڑکھڑا کر ریت پر گر پڑا۔ اچانک میں نے اپنے سر پر صحرائی پرندوں کو منڈلاتے ہوئے پایا۔ شاید ان کو یقین ہو چکا تھا کہ اب مجھ کو کون بچائے گا۔ اب شاید میں مرنے ہی والا تھا۔ میری آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا رہا تھا۔ میرے ذہن میں سارے اچھے پل ایک ایک کر کے کسی فلم کی طرح چلنے لگے۔ موت شاید مجھ سے چند پلوں کے فاصلے پر تھی۔ میرا گلا سوکھ چکا تھا۔ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ اچانک دو نمکین موتی میری آنکھوں سے ٹپک کر میرے گالوں کو گیلا کر گئے۔ اب موت کے بعد شاید نائلہ کے پاس جا سکوں گا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا، اگر اس طرح مرنا ہے تو مادھون کے ساتھ ہی مرنا اچھا ہے۔ مادھون کی بات مان لینے میں ہی میری زندگی بچ سکتی ہے۔ میرے ذہن میں یہ خیال ہی آیا تھا۔ ایک سیاہ رنگ کی دھند میرے سامنے پھیلتی ہی چلی گئی۔

دھند چھٹی تو میں نے اپنے آپ کو مادھون کے سامنے پایا تھا۔ وہ مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کی نظروں میں طنز تھا۔

''نکل گئی ساری اکڑ۔۔''

اس کی بات سن کر میں خاموش ہی رہا تھا۔ موت کا بھیانک تجربہ ابھی جو میں نے کیا تھا وہ میرے لئے کافی تھا۔ میری خاموشی دیکھ کر وہ گندا انسان ہنس پڑا۔

''موت کا خوف بڑے بڑوں کو توڑ دیتا ہے۔۔ کل پورن ماسی کی رات ہے۔ کل تم میرے ساتھ چلو گے میری چیز نکالنے۔''

''وہ کیا چیز ہے۔'' میں نے بے ساختہ سوال پوچھ لیا۔ میری بات سن کر وہ مجھ قہر آلود

نظروں سے گھورنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ بولا۔

''وہ ایک نقشہ، ایک قدیم خزانے کا نقشہ۔''

''خزانہ۔'' میں اچھل پڑا۔

میری بات سن کر اس نے ٹھنڈی اور بولا۔

''وہ اتنا بڑا خزانہ ہے جس کا اگر ایک حصہ بھی مل جائے تھوری پشتیں کھائیں گی۔''

خزانے کا سن کر منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ واقعی اگر کوئی ایسا خزانہ تھا تو میری زندگی بن سکتی تھی۔ اچانک میرے ذہن میں ایک سوال آیا جو فوراً ہی میرے لبوں پر آ گیا۔

''ایک بات بتاؤ۔ جب تیرے پاس اتنی قوتیں ہیں تو میری کیا ضرورت۔''

میری بات سن کر وہ یکدم گڑبڑا گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو گئے۔

''اگر میں تیرا محتاج نہ ہوتا تو تیری مدد کیوں مانگتا۔''

نا جانے کیوں مجھے ایسا لگا کہ مادھون مجھ سے کچھ چھپا رہا ہے۔ بات خزانے کے علاوہ اور کچھ بھی ہے۔ لیکن کیا ایسی بات ہو سکتی ہے جو کہ خزانے سے بھی بڑی ہو مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

آسمان پر پورا چاند تھا۔ موسم بہت ہی خوشگوار تھا۔ میں اور مادھون اسی جگہ پہنچ چکے تھے۔ چاروں طرف پہاڑیاں ہی تھیں۔ ہم دونوں پیدل چلتے ہوئے اپنی مطلوبہ منزل کی طرف جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں چاروں اطراف سرخ رنگ کے پہاڑ تھے اور اس کی زمین بھی سرخ رنگ کی تھی۔ فضا میں عجیب سا دھواں پھیلا ہوا تھا جس کا رنگ سفید تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس دھویں کے آر پار سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔

ہم کافی دیر تک آگے بڑھتے ہی رہے۔ سردی کا احساس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ پھر ایک ایسی

جگہ پہنچ کر رک گئے جہاں ایک بڑی دلدل نظر آ رہی تھی۔ دلدل کا سارا پانی سرخ تھا۔ اس غلیظ اور بدبودار انسان نے اس دلدل کے پاس پہنچ جیب سے کالی دیوی کا بت نکالا۔ یہ سب دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے ایکشن ری پلے چل رہا ہو۔ بت نکال کر اس نے دلدل کے سامنے رکھ دیا اور پھر سجدے میں گر گیا اور کچھ ہی لمحوں کے بعد اس نے جیب سے خنجر نکال لیا۔ خنجر کو دیکھ کر میں چونک گیا کیونکہ یہ وہی خنجر تھا جس سے میں نے نائلہ کا گلا کاٹا تھا۔ اس نے خنجر سے اپنی انگلی سے خون نکالا اور بت پر ٹپکا دیا۔ خون کے ٹپکتے ہی اس نے مجھے اشارہ کیا اور میں نے اپنا ہاتھ اس دلدل کے اندر ڈال دیا۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد میرے ہاتھ ایک سخت چیز سے ٹکرائے۔ میں اس سخت اور ٹھوس چیز کو باہر ہی نکال رہا تھا کہ میرے کانوں نے ایک تیز قسم کی مردانہ چیخ کی آواز سنی۔ اچانک میں نے دلدل کے سرخ پانی پر بہت سے سانپ تیرتے دیکھے جو تیزی سے میری طرف آ رہے تھے۔

''جلدی کرو سے نکل گیا تو کچھ نہیں ہو سکے گا۔'' مادھون کی تشویش بھری آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ اسکے لہجے میں تشویش اور ان دیکھا سا خوف نمایاں تھا۔ اس کے خوف کو محسوس کر کے میں کانپ گیا۔ سانپ بہت سے تیزی سے قریب آتے جا رہے تھے۔ پھر میں نے وہ چیز باہر نکال لی۔ اس چیز کے باہر آتے ہی ایک اور چیخ کی آواز سنائی دی اور پھر وہ سانپ غائب ہوتے چلے گئے۔

وہ ایک منقش سا گولڈن صندوق تھا۔ بہت ہی خوبصورت اور چمکدار تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ کیچڑ اور پانی میں پڑا ہونے کے باوجود بھی صاف اور ستھرا تھا۔ مادھون کسی ندیدے بچے کی طرح اس کی جانب لپکا تھا۔ اور پھر اس نے صندوق کھول لیا۔ صندوق کے کھلتے ہی اس

میں سے دودھیا روشنی سی نکلی جو کہ آسمان کی جانب پرواز کر گئی۔اس صندوق میں کسی جانور کی تہہ شدہ کھال موجود تھی۔مادھون نے آگے بڑھ کر وہ تہہ شدہ دستاویز کھول دی۔

یہ ایک نقشہ تھا۔جو کہ شاید کسی خزانے کا معلوم ہوتا تھا۔نقشے کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک ایسی مسکراہٹ دوڑ گئی جیسے کہ اس کو اپنی منزل قریب نظر آنے لگی ہو۔نقشہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔

پہلا حصہ تحریری مواد پر مشتمل تھا جو نا سمجھ آنے والی زبان پر تھا۔دوسرا حصہ تصویروں پر مشتمل تھا جس میں اس وقت کی تہذیب کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ایک جگہ مختلف ہندو دیوی دیوتا دکھائے گئے تھے۔کہیں کوئی بلی کا دیوتا تھا تو کوئی خوشحالی کا۔کوئی جنگ نا جانے کون کون سے دیوتا ان میں کالی دیوی زیادہ نمایاں تھی۔دوسری نمایاں چیز روشن تھا جس کی روشنی میں بلی دی جا رہی تھی۔تیسرے حصے میں اس جگہ جانے کا نقشہ بیان کیا گیا تھا جہاں یہ خزانہ موجود تھا۔

اچانک میں نے مادھون کے چہرے کے تاثرات عجیب ہوتے دیکھا جیسے اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں خون بھر آیا ہو۔جیسے کہ ان آنکھوں میں کسی کے لئے بہت زیادہ غصہ بھر گیا ہو۔اچانک وہ زیر لب بڑبڑایا۔نا جانے وہ کس سے مخاطب تھا۔

”دیکھ ست پال تو ہار گیا۔۔ہار گیا تو۔۔میری وجے ہوئی۔۔تو نے بہت کوشش کی مجھے ہرانے کی مگر تو وجے نہیں ہوا۔“

پھر میں نے اس کی چھوٹی چھوٹی مکروہ آنکھوں میں آنسو دیکھے پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

انسان کی بدلتی ہوئی کیفیات پہلی بار میرے سامنے تھی۔تھوڑی دیر پہلے وہ خوش تھا اور پھر

غصہ میں تھا اور اب رو رہا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آیا تھا ایسا کیوں تھا۔ ست پال کا نام دوسری مرتبہ میں نے سنا تھا۔ مجھے اب مادھون کی شخصیت بہت ہی زیادہ پراسرار معلوم ہونے لگی تھی۔ نا جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے اندر بہت سی پرتیں موجود ہیں اچانک وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

''آج میں بہت خوش ہوں۔۔ برسوں کی تپسیا رنگ لائی۔''

''نقشہ تم خود بھی نکال سکتے تھے۔''

''اگر نکال سکتا ہوتا تو تمہاری ضرورت نہ تھی۔ اس نقشہ کو ایک خاص عمل سے سدھ (گزارا) گیا ہے اس کو صرف وہی نکال سکتا ہے جو چندر پتر ہو اور وہ تم ہو۔''

اس کی بات سن کر میں حیران رہ گیا۔ اچانک وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

''تیرے ساتھ میں وشواس گھات نہیں کروں گا۔ تجھ تیرا پورا حصہ خزانے میں سے ضرور ملے گا۔''

اس کی بات سن کر میں خاموش رہا۔ ویسے مجھے یقین ہو چکا تھا کہ بات خزانے کے علاوہ اور کچھ بھی ہے۔ پھر ہم وہاں سے واپس آ گئے تھے۔ نقشہ کو حاصل کیے دو دن گزر چکے تھے۔ دو دن تک نہ مادھون مجھ سے ملنے آیا نہ ہی اس نے کامنی کو بلایا۔ میں اکیلا ہی کمرے میں پڑا بور ہوتا رہتا۔ پھر ایک روز وہ میرے پاس آیا اور بولا۔

''میں اس نقشہ کو پڑھ چکا ہوں۔ بہت گہرا راز اس نقشہ میں ہے ایک ایسا راز جس کے بارے میں دنیا نہیں جانتی۔''

''کیسا نقشہ۔۔ کیسا راز۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''یہ راز منش کی اس تہذیب کی طرف اشارہ کرتا ہے جب منش کے درمیان بھید بھاؤ

زیادہ تھا۔ بیچارے دلتوں پر ستم ہوتا تھا۔ پہلا نقشہ اسی چیز کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ میرے حساب کے انوسار یہ داستان اور خزانہ تین ہزار سال پرانا ہے۔"

اس کی بات سن کر میں مسکرا دیا۔ "ایسا تو انڈیا میں آج بھی ہوتا ہے چھوٹی ذات کے لوگوں پر زندگی تنگ کر دی جاتی ہے۔"

میری بات سن کر اس کے چہرے پر سنجیدگی در آئی دوسرے لمحے وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔ "آج تو کم ہے، لیکن اس وقت ایسا بہت زیادہ تھا۔" وہ خلاؤں میں گھورتا ہوا بولا۔

اس کی بات سن کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے کہ وہ اس داستان میں خود ہی پہنچ گیا ہوں۔

"ہمیں تاریک وادی جانا ہوگا۔ نقشہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ نقشہ کا پہلا حصہ منش ایک پوری سنکرتی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور باقی تیسرے حصہ میں اس جگہ کا راستہ۔"

پھر مادھون نے اس نقشہ میں موجود داستان کو پڑھنا شروع کر دیا اس کا لہجہ ڈرامائی ہو گیا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کہ کسی بڑے راز سے پردہ اٹھانے جا رہا ہو۔

"یہ داستان پراچین بھارت کی داستان ہے۔ میرا نام راج گرو ہے میں ریاست ہستنا پور کا ایک تاریخ دان ہوں۔ ریاست ہستنا پور ہندوستان کی ان بہت ریاستوں میں سے جہاں کا راجا اپنی پرجا کا بھگوان ہوتا ہے۔ اے چندر پتر تو اگر اس پراچین (قدیم) راز کو کھوجنے کا خیال دل سے نکال دے اس راز سے ایک سوگندھ وابستہ ہے۔ ایک قسم وابستہ ہے وہ قسم پوری نہ ہو اس لئے اس نقشہ کو اور خزانہ کو ایک پوتر عمل سے گزارا گیا ہے تاکہ اس کی قسم پوری نہ وہ۔ اگر اس کی سوگندھ پوری ہو گئی تو انرتھ ہو جائے گا۔

اے چندر پتر، بھگوان نے اس دنیا میں پانچ عناصر پیدا کیے۔ اول خاک، دوم آگ، سوم پانی، چہارم ہوا، پنجم اکاش، اسی طرح برہم دیو نے انسان کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اول

برہمن، دوم چھتری، سوم ویش، چہارم شودر، برہمن کا کام پوجا پاٹ دھرم کرم جیسے کاموں کو انجام دینا ہوتا تھا۔ چھتری تجارت اور کاروبار وغیرہ کے معلاملات کے ذمہ دار تھے۔ چوتھے ویش تھے جن کا ریاست کی باگ ڈور حکومتی معاملات سنبھالنے کا تھا۔ پانچویں شودر جو کہ ان چاروں ذاتوں خدمت کے لئے تھے یہ نہ تو مندر جا سکتے تھے اور نہ ہی راستوں سے گزر سکتے تھے۔ جن راستوں پر کسی اونچی ذات والے گزر سکتے تھے بھگوان نے ہی انسان کو ذات پات بھید بھاؤ میں پیدا ہوتے ہیں تو ہم کون ہیں ان نیم کو توڑنے والے۔ مگر اس ریاست میں کچھ ایسے لوگ تھے جو بھگوان کے اس قانون کو توڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔"

میں نے دیکھا کہ یہ سب بڑھ کر مادھون کے چہرے تاثرات کچھ عجیب سے ہو گئے۔

مادھون کچھ لمحے کے لئے رکا اور پھر بولنا شروع کر دیا۔

"بھگوان نے مہاراج کو پانچ بیٹوں سے نوازا مگر مہاراج کو ہمیشہ سے ایک بیٹی کی چاہ تھی۔ اپنی پرجا کے بھگوان کا درجہ رکھنے والے ایک بیٹی سے محروم تھے۔ بہت سادھوں پنڈتوں سے پوجا پاٹ کرائی مگر کچھ نہ ہوا۔ مہاراج دن رات بس بیٹی کی آرزو کرتے رہے مگر کچھ نہ ہوا۔ راجا بیٹی کی چاہ میں گھلتے رہے پھر ایک روز بھگوان نے اس کی سن لی۔ اس کو بہت ہی خوبصورت سی لڑکی ہوئی۔ اس لڑکی کا نام بڑے ہی چاؤ سے سوریالیکا رکھا گیا۔ راج کماری سوریالیکا بہت خوبصورت تھی۔ اس کی سندرتا کے چرچے دور دور کی ریاستوں میں پھیل گئے۔ جو بھی راجکماری کو دیکھتا اس کا دیوانہ ہو جاتا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ بھگوان کی کیا لیلا ہے ایک روز راج کماری سیر کو گئی۔ وہ ہمیشہ ہی اپنی کنیزوں کے ساتھ ہی جاتی۔ اس کے ساتھ ایک محافظ دستہ ہوتا وہ دستہ اتنا گھاتک (خطرناک) ہے جو بھی راستے میں آتا اس کو جان سے مار دینے سے دریغ نہ کرتے۔ راج کماری کو یہ معلوم نہ تھا اس کے حسن کا دیوانہ مندر کا ایک

پجاری بھی ہے۔ کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ پجاری روزانہ چھپ چھپ کر راج کماری کو نہاتے ہوئے دیکھتا تھا۔ پجاری ایک ودیا کا ماہر تھا جس کی مدد سے وہ محافظ دستے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو جاتا۔ ایک دن راج کماری نے اس کو دیکھ لیا۔ اس نے کسی سے شکایت کرنے کے بجائے اس کو دھمکا کر چھوڑ دیا۔ راج کماری جانتی تھی کہ اگر اس نے پجاری کی شکایت کی۔ اس کو موت کی سزا ملے گی پرنتو اس کا خود کا محل سے نکلنا بند ہو جائے گا۔ اس لئے وہ چپ رہی تھی۔ راج کماری کا رتھ روز شام چار بجے محل کے لئے واپسی روانہ ہوتا۔ اس سے قبل ایک سپاہی صبح و شام دونوں وقت لال رومال لے کر نکلتا۔ تاکہ لوگوں کو خبر ہو جائے کہ راج کماری کا رتھ واپسی کے لئے نکل رہا ہے جو لوگ راستے میں ہے وہ ہٹ جائیں۔ جب رتھ واپسی کے لئے نکلتا تو لوگوں میں سراسیمگی پھیل جاتی۔ بازار خالی ہو جاتے۔ اگر کوئی غلطی سے سامنے آجاتا تو رتھ کے آگے پیچھے چلنے والے گھوڑے اسکو کچلتے ہوئے نکل جاتے۔

"اے چندر پتر، یہ سب اس لئے ہوتا رتھ کے راستے میں دلتوں کی بستی پڑتی اس کے علاوہ محل جانے کا اور دوسرا راستہ بھی نہ تھا۔ دلتوں کو رحم کھا کر اس راستے پر بستی بسانے کی اجازت تو دے دی گئی، مگر ساتھ ساتھ ان پر پابندیاں بھی لگ گئیں۔ کوئی نیچ ذات والا دلت ان کے سامنے نہیں آئے گا۔ اگر کوئی اونچی ذات والوں کے سامنے آیا تو مار دیا جائے گا۔ چنانچہ دلتوں نے سختی سے اس پر عمل شروع کر دیا۔ اسی بستی میں مزدور رہتا تھا جس کا نام کمار تھا۔ وہ مزدور سنا تھا بستی کا بڑا ہی خوبصورت نوجوان تھا۔ بھگوان کی لیلا بھی عجب ہے۔ دلتوں کی بستی میں اتنے خوبصورت نوجوان کا پیدا ہونا کسی چمتکار سے کم نہ تھا۔ روزانہ دن بھی مزدوری کرتا اور رات کو جا کر اپنی بستی میں سو جاتا۔ اس کا نہ کوئی متر تھا، نہ کوئی دشمن۔ بس وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا تھا۔ اس کے پریوار میں اس کی ایک صرف ایک ماں تھی اور ایک چھوٹی بہن جو کہ

سارا وقت بستی میں کھیلا کرتی تھی۔ بستی میں ایک انسان اور بھی تھا جس کا نام شنکر لال تھا۔ شنکر بھی ذات کا نیچ تھا لیکن سفلی اور کالے علم میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ پوری بستی میں اگر کمار کا کوئی دوست تھا وہ شنکر لال تھا۔ شنکر لال اور کمار کی دوستی اپنی مثال آپ تھی۔ ایک دفعہ کمار نے شنکر لال کی مدد کر کے اس پر احسان کیا تھا۔ جب اس کی ماں بیمار تھی تو پوری طرح سے کمار ہی کام آیا تھا تب شنکر نے قسم کھائی تھی کہ مناسب وقت پر احسان کا بدلہ اتار دے گا۔ کمار جب بھی اپنی مزدوری پر نکلتا تو وہ شنکر سے ضرور ملتا تھا۔ شنکر ہی اس کا واحد دوست تھا۔ جیسے ہی کمار، شنکر کی جھونپڑی میں داخل ہوا تو جھونپڑی میں کوئی بھی نہ تھا۔ اچانک کمار نے کراہنے کی آواز سنی کمار نے ادھر ادھر دیکھا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا، جھونپڑی میں موجود چارپائی کے نیچے ایک بوری سی موجود ہے اور وہ بوری ہل بھی رہی ہے اور اس میں سے آواز بھی آ رہی ہے۔ اس نے فوراً ہی چارپائی کے نیچے گھس کر وہ بوری کھول ڈالی۔ جیسے ہی وہ بوری کھولی اس میں سے ایک نہایت ہی خوبصورت بچہ برآمد ہوا تھا جو کہ زرق برق لباس میں تھا۔ بچہ نیم بے ہوش تھا اور کراہ رہا تھا۔ اچانک اس نے قدموں کی آہٹ کی آواز سنی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو جھونپڑی کے اندر سیاہ رنگ والا انسان اندر داخل ہو رہا تھا جس کی آنکھیں چھوٹی اور بال گھنگریالے تھے اور ہونٹ موٹے تھے۔"

"شنکر یہ سب کیا ہے۔" کمار نے اس کی جانب حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں یار۔ شکتیوں کو بڑھانے کے لئے یہ سب کرنا پڑتا ہے۔" شنکر کے بھدے سے ہونٹوں مکروہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تو اس کا کرے گا کیا۔"

"یہ دو ہفتے سے بھوکا ہے اس کو بھوجن کے نام پر مٹھائی کھلا تا رہا ہوں۔ مٹھائی سے اس کی

پیاس بڑھ جائے گی اور جب سے جیون تیاگنے لگے گا میں اسکا گلا کاٹ کر اس کارت کالی ماں کو بلی دے دونگا۔۔اور اس آتما اپنے وش میں کرلوں گا۔"

"پرنتو یہ کس کا بچہ ہے۔۔"

"اسی دھکاری (ملعون) ساہوکار کا جو ہم غریبوں کو نیچ سمجھتا ہے۔"

اس کی بات سن کر کمار سے دھک سے رہ گیا۔

"شنکر یہ ایک معصوم بچہ ہے۔جس کا کوئی دوش نہیں ہے اور پھر ہماری طرح انسان ہے۔ چھوڑ دے اس کو۔"

"وہ لوگ ہمیں انسان سمجھتے ہیں۔" شنکر اپنے گھنگریالے بال کھجاتے ہوئے بولا۔

"میں کہتا ہوں تو بھی کالی کا بھگت بن جا۔بہت لابھ (فائدہ) اٹھائے گا۔"

"مجھے نہیں بننا تو بس چھوڑ دے بچہ کو راجا کے سپاہیوں کو معلوم ہو گیا تیری کھال میں بھس بھر دیں گے۔"

"میں نہیں چھوڑتا اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"تیری مرضی میں جا رہا ہوں۔۔"

اتنا کہہ کر کمار وہاں سے باہر نکل آیا تھا۔کمار کا دماغ صرف یہی سوچ رہا تھا کہ اس معصوم بچے کی جان کس طرح بچائی جائے۔ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلا ہو گا کہ اس نے سنیکوں کی ٹکڑی کو شنکر کی جھونپڑی کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا۔۔سنیکوں کو دیکھ کر کمار فوراً ہی ایک پیڑ کی آڑ میں ہو گیا۔چند لمحے گزرے ہوں گے کہ کمار نے دیکھا کہ سنیک شنکر کو مارتے ہوئے باہر لا رہے ہیں۔انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک رسی شنکر کی گردن میں ڈال دی تھی۔جب سپاہیوں کا یہ ٹولہ بستی سے گزرا تو انہوں نے دیکھا شنکر کی گردن میں رسی ہے اور وہ بری طرح

گھائل ہو چکا ہے۔ اب سب جانتے تھے کہ شنکر کو اب جلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا جائے گا۔
راجا چونکہ شکار پر تھا اس لئے اس کے بچے کی جان تو بچ گئی لیکن کمار کا دل اپنے متر کے لئے
دکھی ہو گیا تھا۔ جب بھی کمار کا دل دکھی ہوتا تو وہ شانت جگہ تلاش کرتا تھا۔
اے چندر پتر۔ وہ نیچ دلت ذات کا نوجوان جب بھی دکھی ہوتا تو اسی جھیل کے پاس جا کر
بیٹھ جاتا جہاں راج کماری نہاتی مگر وہ ہمیشہ ایسی جگہ کا چناؤ کرتا جہاں کا ماحول بہت ہی
پرسکون ہو۔ اس کو بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی کہ کمار دلکش قہقہوں کی آواز پر چونک
گیا۔ وہ اونچائی والی ایسی جگہ پر بیٹھا جہاں سے کوئی اس کو دیکھ نہ سکے۔ پتھر کی اوٹ سے
کمار نے چند لڑکیوں کو اشنان کرتے ہوئے دیکھا۔ ان میں راج کماری بھی تھی۔ راج کماری
کو دیکھ کر وہ مبہوت ہو کر رہ گیا کیونکہ راج کماری بہت سندر تھی۔"
میں نے دیکھا راج کماری کی خوبصورتی کا جب ذکر آیا تو مادھون کی آنکھوں میں چمک سی
دوڑ گئی۔ مادھون کا چہرا کچھ عجیب سا ہو گیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ داستان پڑھتے ہی اس کے
چہرے کے تاثرات عجیب ہو جاتے۔
"راج کماری کو دیکھتے ہی اس کے دل میں گھنٹی تو بجی تھی شاید اسی کو پریم کہتے ہیں۔ کمار کو
پہلی ہی نظر میں راج کماری سے پریم ہو گیا۔ وہ اس کو دیکھتا ہی رہا تھا جب تک وہ وہاں
رہی۔ یہ تو نصیب کا کھیل تھا کہ سنیکوں کی نظر کمار پر نہیں پڑی۔ جب تک راج کماری وہاں
رہی کمار اس کو دیکھتا ہی رہا تھا۔ کمار کے دل میں پریم کی آگ جل چکی تھی۔ شام کے وقت راج
کماری کا رتھ جھیل سے واپسی گزر رہا تھا۔ حسبِ معمول دریا والا راستہ خالی تھا۔ ایک اعلان
کرنے والا لال رومال ہاتھ میں لئے گھوڑے پر اعلان کرتا ہوا جا رہا تھا۔
"نگر باسیو۔ راج کماری کی سواری گزر رہی ہے۔ تم میں سے جو نیچ ہو سواری کے

سامنے سے ہٹ جائے ورنہ وہ اپنی موت کا ذمہ دار خود ہوگا۔"

اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہوا گزر گیا مگر جیسے ہی راج کماری کی سواری نے دریا والا پل عبور کیا تو ایک آٹھ یا دس سال کی بچی سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ راج کماری کو جھانک جھانک کر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ گھڑ سواروں نے یہ منظر دیکھا تو فوراً ہی گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس بچی کی طرف بڑھے۔ان کا ارادہ اس بچی کو گھوڑوں تلے کچل دینے کا تھا، مگر اسی لمحے ایک نوجوان نے آ کر اس بچی کو دھکا دیا۔اور خود ہی رتھ کے سامنے آ کھڑا ہوگیا۔ یہ نوجوان کوئی اور نہیں کمار تھا۔راج کماری نے پردہ ہٹا کر ایک نوجوان کو اپنے رتھ کے سامنے پایا۔راج کماری نے جیسے ہی اس نوجوان کو دیکھا تو پہلی ہی نظر میں اس کو یہ نوجوان بہت ہی اچھا لگا تھا۔کمار نے جب راج کماری کو دیکھا اور راج کماری نے کمار کو دیکھا اور دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے ہی رہ گئے۔جب راجا کے سینکوں نے دیکھا تو فوراً ہی کمار کو پکڑ لیا۔ کمار کو تو ہوش ہی کہاں تھا بس اس کی نظر اسی کی سمت تھی۔سینکوں نے کمار کو مارنا شروع کر دی اتنا مارا اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔اور اس کو لے جا کر قید خانہ میں ڈال دیا۔کمار کی ملاقات قید خانہ میں شنکر سے ہوئی تھی۔دونوں ایک ہی کوٹھڑی میں تھے۔شنکر اس کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا اور پھر دوسرے ہی پل وہ مسکرا اٹھا۔

"اس طرح کیوں مسکرا رہے ہو میرے متر۔" کمار بولا۔

"مسکرا اس لئے رہا ہوں کہ میں نے پاپ کیا اس لئے اندر ہوں مگر تم نے کون سا پاپ کیا تھا۔"

"پریم کرنے کا۔" کمار مسکرایا۔

"پریم کرنے کا۔" اس نے حیرت سے کمار کے جملے دہرائے۔

"ایک بات بتا، تُو اتنا شکتی مان ہے تو یہاں سے آزاد کیوں نہیں ہو جاتا؟" کمار نے شنکر

سے سوال کیا۔

اس کی بات سن کر شنکر ہنس پڑا کافی دیر تک ہنسنے کے بعد بولا۔

”میری زندگی کا وقت کم ہے۔۔ مجھے دیوی نے بتا دیا تھا اس لئے کوئی مزاحمت نہیں کی پرنتو میں مرنے سے پہلے اپنی شکتیاں کسی کو دان کر جاؤں گا۔“

کمار اس کی بات کا کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ اسی لمحے کوٹھری کا دروازہ کھلا اور تین چار سپاہی دندناتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

”چل تانترک کی اولاد نکالتے ہیں تیری ساری دویا۔“ اتنا کہہ کر انہوں نے شنکر کو گریبان سے پکڑ کر فرش پر گرا دیا اور مارتے ہوئے باہر لے جانے لگے۔

”کہاں لے جا رہے ہو اس کو؟“ کمار نے تشویش سے پوچھا۔

”اس گندی آتما کو مکتی دینے۔“

اتنا کہہ کر وہ شنکر کو مارتے ہوئے وہاں سے لے گئے لیکن شنکر مسکراتا ہی رہا تھا۔ وہ سپاہی شنکر کو لے کو ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک بہت ہی بڑے کڑاہے میں تیل گرم ہو رہا تھا۔

”اے چندر پترا اگر تو دیکھ لیتا کہ ان سینکوں نے اس نیچ ذات شنکر کو کس طرح کڑاہے میں بھون دیا، تیری آتما کانپ جاتی۔۔ لیکن وہ نیچ مسکراتا ہی رہا تھا۔ نا جانے کون سی شانتی مل رہی تھی اس مردود کو۔“

دوسرے روز کمار کو راجا کے دربار میں پیش کیا گیا۔ راجا شکار سے واپس آ چکا تھا۔ زنجیروں میں جکڑ کر جب اس دلت نوجوان کو پیش کیا گیا تھا اس کا سینہ اکڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں غم کی چھایا تھی۔ دربار کا ہر شخص بشمول راجا کو اس کی حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک مہامنتری نے اپنی کرسی سے اٹھ کر راجا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے سورج دیوتا کے اوتار۔ اے راجا اندر کے ویر۔ تیری شان بلند ہو۔ بھگوان تیرا سایہ ہم پر بلند رکھے۔ اے راجا ہم تجھ سے نیودن (درخواست) کرتے ہیں کہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کر اور اس کو سخت سے سخت سزا دے۔“

”کیا جرم ہے اس کا؟“ راجا نے کمار کی طرف دیکھ کر سخت لہجے میں کہا۔

اس کی بات پر وہی بیچارہ اٹھ کھڑا ہوا جو کہ روزانہ راجکماری کو چھپ چھپ کر دیکھتا تھا۔

”اے راجا۔ تیرا اقبال بلند ہو۔ اس نے راج کماری پر بری نظر ڈالنے کا پاپ کیا ہے۔“ پجاری نے قہر آلود نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دراصل اس کو بات کا دکھ تھا کہ اس نے راج کماری کو دیکھا ہے۔ اس نے اپنی ودیا سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ راجکماری کے دل میں بھی پریم جاگ گیا ہے۔“

راجا نے اس کی بات سن کر اس کو قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ ان آنکھوں میں حقارت جھانک رہی تھی۔ راجا چند لمحوں تک کمار کی جانب دیکھتے رہے تھے اور اس کے بعد انہوں نے سارے دربار کی طرف دیکھا اور غصہ سے کہا۔

”ہمارا فیصلہ نیائے پر ہی ہوگا۔ اس نوجوان نے ریاست کی حکم عدولی کی۔ راجکماری پر گندی نظر ڈالی۔ ہم ادیش دیتے ہیں کہ اس بے ادب نوجوان کو سو کوڑے مارے جائیں۔ اگر بچ جائے تو دلتوں کی بستی میں پھینک دیا جائے اور اگر دوبارہ نظر آئے تو بھوکے شیروں کی خوراک بنا دیا جائے۔“

راجکماری تک بھی یہ فیصلہ پہنچا تھا مگر اس کو یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا۔ چنانچہ اس نے رات کو اس بستی میں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا گو کہ یہ فیصلہ خطرناک تھا مگر وہ اپنے باپ کے ظلم پر معافی مانگنا چاہتی تھی چنانچہ وہ اپنی خاص ملازمہ کے ساتھ محل سے باہر نکلی تھی۔ اس سے قبل، دن میں

اس نے اس نوجوان کا پتہ معلوم کر لیا تھا۔ رات کے وقت وہ دونوں خفیہ راستے سے باہر نکلی۔ یہ خفیہ راستہ ہنگامی صورتوں کے لئے بنایا گیا تھا تا کہ اگر کبھی جنگ وغیرہ ہو تو راج پریوار کے لوگ با آسانی فرار ہو سکیں۔

یہ راستہ ایک ایسی پہاڑی کھوہ سے باہر نکلتا تھا جو کہ سرحد کے نزدیک تھی۔ اب ان دونوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح سرحدی سنیا سے بچ کر دلتوں کی بستی تک پہنچ جائیں۔ موسم نہایت ہی خوشگوار اور سہانا تھا۔

''اگر کسی نے دیکھ لیا تو راجا مجھے زندہ جلا دے گا۔'' ملازمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ہم نے اپنے آپ کو کالے لباس میں جو چھپا رکھا ہے۔'' راجکماری مسکرا کر بولی۔ پہاڑی اترائی اترنے کے بعد ان کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

وہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی جو کہ بانس کے ڈنڈوں اور گھاس پھونس سے جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ جھونپڑی کے دروازے پر ایک پرانی سی میلی لالٹین لٹک رہی تھی جس کی ناکافی روشنی ایک عجیب سا پراسرار ماحول پیدا کر رہی تھی۔ دو گھوڑے جھونپڑی کے سامنے آ کر رک گئے۔

''تم کو پکا معلوم ہے ناں یہی والی جھونپڑی تھی۔''

''جی راج کماری۔'' کنیز نے سرگوشی میں جواب دیا۔

راج کماری نے کوئی جواب نہ دیا اور گھوڑے سے اتر گئی اور گھوڑے کو ایک کونے سے باندھ دیا۔ گھوڑے بھی نسلی معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کوئی آواز نہ کی۔ جیسے ہی راج کماری جھونپڑی کے اندر داخل ہونے لگی۔ رونے کی آواز سن کر وہ ٹھٹک گئی۔ وہ آواز کسی عورت کی تھی جو روتے ہوئے فریاد کر رہی تھی۔

''ناش ہو اس راجا کا، کیڑے پڑ جائیں اس کے بدن میں۔ظالموں نے کیا حال کر دیا میرے بچے کا۔۔''

یہ سننا تھا کہ راج کماری رک گئی۔

''لگتا ہے کہ یہی گھر ہے۔'' کنیز نے سرگوشی کی۔

راج کماری نے کوئی جواب نہ دیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جھونپڑی کا دروازہ بجا دیا۔ دراوزہ بجتے ہی اندر سے آنے والی آوازیں خاموش ہو گئیں۔فضا میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سناٹے میں تھوڑی دیر کے لئے ارتعاش پیدا کرتیں اور پھر وہی سناٹا طاری ہو جاتا۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھل گیا۔دروازہ کھلتے ہی ایک عورت باہر نکلی اور راج کماری کو دیکھتے ہی سہم کر رک گئی۔

''کک۔۔کون ہو تم۔''

راج کماری نے کوئی جواب نہ دیا اور سیدھا اندر داخل ہو گئی۔جھونپڑی کے اندر نیم اندھیرے ماحول میں راج کماری نے دیکھا کہ ایک نوجوان ایک ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر لیٹا ہوا کراہ رہا ہے۔جھونپڑی کے اندر ایک دیوار پر کونے پر ایک کائی زدہ مٹکا رکھا تھا جس پر ایک کٹورا رکھا تھا۔راج کماری نے ایک نظر میں پورے کمرے کا جائزہ لے لیا تھا۔

''پانی۔۔'' نوجوان کراہا۔

راج کماری فوراً ہی مٹکے کی جانب بڑھی تھی۔اس سے قبل کہ وہ مٹکے تک پہنچ پاتی عورت راستے میں حائل ہو گئی۔

''کون ہو تم۔''

اتنا سننا تھا کہ راج کماری نے اپنا لبادہ اتار دیا۔جیسے راج کماری کی صورت عورت کے

سامنے آئی، وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

''راج کماری جی آپ۔'' عورت کے لہجے میں حیرت تھی۔ یہ سن کر کراہتا ہوا نوجوان چونکا اور اس کی کراہنے کی آواز رک گئی۔

''کیوں میں نہیں آسکتی۔''

''بھگوان کے لئے آپ چلی جائیں۔۔ ورنہ اگر مہاراج کو پتہ چل گیا تو وہ کتوں سے نچوا دے گا۔'' عورت کی آواز میں کپکپی تھی۔

''کسی کو نہیں پتہ چلے گا۔''

''ہم اچھوت لوگوں میں آپ کا کیا کام راجکماری۔'' عورت کی جگہ نوجوان نے جواب دیا تھا۔ اس کی بات سن کر راج کماری خاموش ہوگئی۔ اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولی۔

''نہیں کمار، تمہارا کوئی قصور نہیں۔ بھگوان نے سارے منش ایک سمان ہی بنائے ہیں۔ سورج چاند کو دیکھ لو یہ سب پر اپنا کرم کرتا ہے ورنہ اگر ایسا ہوتا کہ روشنی کا حق صرف اونچی ذات والوں کا ہے تو تمہارے گھر اندھیروں میں ڈوبے ہوتے۔''

کمار کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سرپھری کو کیا جواب دے۔ ایسی باتیں اس نے کبھی کسی اونچی ذات والے کے منہ سے نہیں سنی تھیں۔ وہ حیران نظروں سے اسکو دیکھتا رہا۔

''میں تمہارے لئے شاہی مرہم لائی ہوں جو تمہارے زخموں کو چند دنوں میں اچھا کر دے گا۔'' اتنا کہہ کر اس نے لبادے سے ایک چھوٹی سی سونے کی کٹوری نکالی لی۔ عورت اور کمار سخت حیران تھے کہ اس دوران ہمدرد کیسے پیدا ہوگیا۔

''اے چندر پتر، راجکماری کی اس دیا نے سخت ازتھ کر دیا تھا اس نیچ پر دیا کر کے اب تو

خود بتاز مین اور آسمان کبھی ملے ہیں گند کو کبھی صاف ستھری جگہ پر رکھا جاسکتا ہے۔ سونے کے تاج کو ٹاٹ میں تو لپٹا نہیں جاسکتا۔"

داستان تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی اور مادھون اس داستان کو ایسے پڑھ رہا تھا جیسے کہ وہ اس داستان کا حصہ ہو۔ مجھے تو سنتے ہوئے اب بوریت ہونے لگی تھی۔ خیر میں نے مادھون کو روکا نہیں۔ مادھون بول رہا تھا۔

"راج کماری نے کمار نے زخموں پر مرہم لگائی۔ کمار کے دل میں تو پہلے پریم تھا اور مزید گہرا ہو گیا۔ وہ مرہم لگاتی جارہی تھی۔ زخموں میں تو راحت پہنچ رہی تھی لیکن دل کا درد بڑھ رہا تھا۔ اچانک راجکماری بولی۔

"بڑا ظلم کیا مہاراج نے تمہارے ساتھ۔" راجکماری نے ہمدردی سے کہا۔

"یہ تو اچھا کیا ہے مہاراج نے ورنہ آپ میرے پاس نہیں آتیں۔" کمار کا جواب تھا۔

کمار کے جواب راجکماری کا چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔ راج کماری نے کوئی جواب نہ دیا اور بس زخموں پر مرہم لگاتی رہی۔ اچانک کمار نے ایک ایسی حرکت کی جس سے وہ چونک گئی۔ راج کماری نے اپنا ہاتھ فوراً ہی کھینچا تھا کیونکہ اس کا نرم و ملائم ہاتھ کمار کے ہاتھ میں تھا، راجکماری نے فوراً ہی ہاتھ چھڑایا تھا۔

"شما چاہتا ہوں راج کماری۔۔"

راجکماری نے کوئی جواب نہ دیا لیکن کمار اس کے ہونٹوں پر دبی مسکراہٹ دیکھ چکا تھا۔ پریم کی آگ دونوں طرف جل چکی تھی۔ یہ آگ ایک ایسے طوفان کو جنم دے رہی تھی جس طوفان میں سب کچھ بہہ جانا تھا۔

☆......☆......☆

رات کا وقت تھا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ ایک بہت بڑا ہال نما کمرا تھا جس کے ستون بہت ہی بڑے بڑے تھے اور پتھریلے ستون بہت اونچائی پر جا کر گول چھت سے مل گئے تھے۔ ہال کی فضا بہت گھٹی گھٹی تھی۔ جگہ جگہ چاروں طرف مشعلیں روشن تھیں۔ وسط میں ایک بہت ہی بڑا عظیم الشان بت ایستادہ تھا۔ وہ کسی کالی دیوی کا تھا۔ اس بت کے بالکل سامنے ایک بکرا بندھا ہوا تھا۔ بکرا کافی صحت منداور تندرست تھا۔ کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اچانک ہال میں ایک شخص داخل ہوا۔ وہ شخص بڑا ہی تومنداور فربہ تھا۔ اس کی عمر چالیس سال تھی۔ اس کا اوپری دھڑ برہنہ تھا جبکہ نچلے دھڑ پر اس نے لنگی پہن رکھا تھا اور اس کا جسم کھریا مٹی سے رنگا ہوا تھا۔ یہ وہی پجاری تھا جو کہ راج کماری کو نہاتے ہوئے دیکھتا تھا۔ وہ ہال میں داخل ہوتے سجدے میں گر پڑا۔

''دیوی! میری مدد کر۔۔ میں راج کماری سے ویواہ کرنا چاہتا ہوں پرنتو وہ نہیں مانتی میں نے اس پر اپنی ودیا آزمائی پھر بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔''

اتنا کہہ کر وہ سجدے سے اٹھا اور کچھ پڑھتا ہوا اس بکرے کی سمت آ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی تلوار تھی۔ پجاری نے ایک ہی وار میں اس بکرے کا سر اڑا دیا۔ جیسے ہی بکرے کا سر اڑا، بکرا تڑپنے لگا۔ بکرے کا خون نکل کر ایک پیالے میں جمع ہونے لگا۔ پھر اس پجاری نے اس خون سے اس دیوی کو اشنان کروانا شروع کر دیا۔

''دیوی، میں نے بلی پوری کر دی ہے۔۔ میری مدد کر۔۔''

اچانک دیوی کی پتھریلی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ پھر اس کے سنگی ہونٹ ہلے۔ پھر اس پجاری کے کانوں سے ایک گونجدار آواز ٹکرائی۔ وہ آواز کسی عورت کی تھی۔

''پجاری آنند۔۔ تیری بلی ہم نے سویکار کی تو تین راتوں تک بلی دے۔ تو تیری

منو کامنا پوری ہو سکتی ہے۔"

آواز کو سن کر پجاری واپس سجدے میں گر گیا۔

"دیوی تیرا یہ بھگت بلی پوری کرے گا۔"

کالی دیوی کا خون آلود خوفناک بت بڑا ہی بھیانک لگ رہا تھا۔ پجاری بلی کی رسم ادا کر کے جیسے ہی باہر نکلا۔ اچانک اس کی نظر پہاڑی ترائی پر دو گھڑ سواروں پہ پڑی جو کہ نیچے اتر رہے تھے۔ شاہی گھوڑوں کو دیکھ کر وہ چونک گیا تھا کہ اتنی رات کو شاہی گھوڑے کہاں جا رہے ہیں چنانچہ وہ تجسس کے پیش نظر ان کے پیچھے چل ہی پڑا۔ اس کا گھوڑا بڑا پھرتیلا تھا۔ بغیر آواز کیے ان کے پیچھے چل پڑا۔ گھوڑوں کا رخ شمال کے پہاڑی سلسلے کی طرف تھا۔ کچھ ہی دور پجاری ان گھوڑوں کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ کافی دیر کے بعد جب وہ پرانی جھیل کے نزدیک پہنچا تو چاند کی روشنی میں جھیل کے پاس جو کچھ دیکھا اس کو دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ غصے کی وجہ سے اس کی کھوپڑی نے عقل کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ رات کے اندھیرے میں اس کی تیز نظروں نے راج کماری کو پہچان لیا تھا۔ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ وہ ایک دلت نوجوان کے ہاتھ میں ہاتھ دیے بیٹھی تھی۔

"راج کماری اب تو جیون تمہارے بغیر ادھورا لگتا ہے۔"

"میرا بھی یہی حال ہے۔" راج کماری کا جواب تھا۔

"لیکن ہمارا دیواہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں نے ایسا سوچا بھی تو میری بہن میری ماں کو یہ لوگ زندہ جلا دیں گے۔"

"ہم یہاں کہیں دور بھاگ چلتے ہیں۔" راج کماری نے مسکرا کر جواب دیا۔

"جب تک میں ہوں تم دونوں کو یہ پاپ نہیں کرنے دوں گا۔" پجاری آنند فوراً ہی ان

دونوں کے سامنے آگیا تھا۔اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ پجاری کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے دونوں ہی سناٹے میں آ گئے۔نگرانی کرنے والی کنیز تو بے ہوش ہی ہو گئی تھی۔دونوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

''پریم پاپ تو نہیں مہاراج۔'' کمار نے جواب دیا۔

پجاری جو ویسے ہی راج کماری کو ایک نیچ کے پہلو میں دیکھ کر جلا ہوا تھا جواب سن کر شدید غصہ میں آ گیا۔

''تم جیسے نیچ کرمیوں کے لئے ضرور پاپ ہے۔'' اتنا کہہ کر اس نے اس پر تلوار سے حملہ کر دیا۔

کمار اس حملے کے لئے تیار ہی نہ تھا۔تلوار کا وار اتنا بھر پور تھا۔اس کا بایاں بازو زخمی ہو گیا۔اپنے آپ کو زخمی ہوتے دیکھ کر کمار نے اپنی تلوار نکال لی۔اب دونوں ہی ایک دوسرے کے سامنے تھے اور بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔پجاری کمار کے مقابلے میں زیادہ ماہر تلوار باز تھا۔اس لئے اس نے بہت ہی جلد کمار کو گرا دیا۔قریب تھا کہ تلوار کا ایک بھرپور کمار کی گردن اڑا دیتا۔۔۔راجکماری سامنے آگئی۔

''پجاری بس،ہم نے کوئی پاپ نہیں کیا۔''

''یہ پاپ نہیں تو اور کیا ہے جو آپ نے پیر کے چپل کو اٹھا کر سر پر رکھ لیا ہے۔'' پجاری ہانپتا ہوا بولا۔

''پاپ تو وہ تھا جو آپ کرتے تھے۔ہمیں نہاتا ہوا دیکھ کر اگر ہم اس کی شکایت مہاراج سے کر دیں تو وہ آپ کو بھوکے شیروں کے آگے ڈالو دیں گے۔''

راجکماری کی بات سن کر کمار چونک پڑا۔جب پجاری آنند نفرت سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو سمے بتائے گا راج کماری، کون بھوکے شیروں کا نوالہ بنتا ہے اور کون نہیں۔"

اتنا کہہ کر پجاری تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔

"یہ اچھا نہیں کیا آپ نے راج کماری یہ آدمی بہت خطرناک ہے۔"

"دھیرج میرے راج کمار، کچھ نہیں ہو گا۔ میں کل ہی مہاراج سے بات کر لوں گی۔ اب تم گھر جاؤ۔ میں اس بیچاری کنیز کو ہوش میں لاتی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی۔

☆......☆......☆

کمار اپنی بستی کے قریب پہنچا ہی تھا کہ بستی سے اس نے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔ آگ کے شعلے کے اتنے شدید تھے کہ کمار حواس باختہ ہو گیا۔ جیسے ہی وہ بستی کے نزدیک پہنچا ایک آدمی بھاگتا ہوا اس کے نزدیک پہنچا۔

"بٹوا تو بھاگ جا۔ راجا کے سپاہی تجھ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔" وہ آدمی کافی ڈرا ہوا تھا۔

"مگر ہوا کیا۔" کمار نے جھلا کر کہا۔

"تیرے گھر کو اور بستی کے بہت سے گھروں کو آگ لگا دی ہے۔ تیری بہن اور ماں کو اسی گھر میں جلا کر راکھ کر دیا ہے راجا کی فوج نے۔" وہ آدمی روتے ہوئے کہنے لگا۔

اتنا سننا تھا کہ کمار حواس باختہ ہو گیا اور چلاتا ہوا بستی کی جانب بھاگا۔ ابھی وہ پہنچ بھی نہ پایا کہ راجا کی فوج کا دستہ اس پر پل پڑا۔ اس وقت تک وہ اس پر تشدد کرتے رہے جب تک وہ بے ہوش نہ ہو گیا۔

اے۔ چندر پتر کمار کے پاپ کی سزا بستی کو بھوگنی پڑی۔ کئی گھر جلا دیے گئے۔ کئی دلت لڑکیوں کو کمار کے پاپ کی سزا دی گئی۔ غرض ایک بھونچال تھا جس نے شاہی گھرانے کو ہلا دیا تھا۔ راج کماری کو راتوں رات محل میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اور کمار کو پھانسی کی سزا

سنائی گئی۔اس بات کی اطلاع راجکماری کو دے گئی تھی اور جو کنیز راجکماری اور کمار کی محبت کی رازدار تھی اس کو اندھا کر کے محل سے باہر کر دیا گیا تھا۔راج کماری محل میں نظر بند تھی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ باہر کیسے نکلے، کس طرح کمار کو بچائے۔ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک اس نے اپنے پاس ایک نارنجی رنگ کا شعلہ بلند ہوتے دیکھا۔پھر وہ شعلہ انسانی روپ اختیار کرتا چلا گیا۔راجکماری منہ کھولے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہی تھی۔راج کماری نے اپنے سامنے ایک سیاہ چمڑی والے انسان کو کھڑے دیکھا جس کے بال گھنگریالے تھے اور آنکھیں چھوٹی اور ہونٹ موٹے تھے۔

''کون ہو تم۔۔'' راجکماری نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''شنکر۔''

''مگر تم کو جلا دیا تھا راجا کی فوج نے۔''

''ہاں میرے شریر کو میری آتما کو نہیں۔'' شنکر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''تت۔۔تم آتما ہو۔'' راج کماری کانپ گئی۔

''ہاں راج کماری، سمے کم ہے۔۔۔کیا تم اپنے کمار کے پاس جانا چاہتی ہو؟''

''ہاں۔۔۔۔مگر کیا وہ بچ جائے گا۔''

اس کی بات سن کر شنکر مسکرانے لگا۔لمحاتی توقف کے بعد بولا۔

''تم دونوں کے جیون میں کیا ہے۔۔میں جانتا ہوں تم دیر نہ کرو اور آنکھیں بند کر لو۔''

راج کماری نے وہی کیا، اپنی آنکھیں بند کر لیں۔اس کی آنکھوں کے سامنے سیاہ اندھیرا چھا گیا۔اندھیرا چھٹا تو اس نے اپنے آپ کو محل سے باہر پایا تھا۔

☆......☆......☆

پھانسی گھاٹ پر راجا، رانیاں، پنڈت، پجاری اور عوام کی بڑی تعداد موجود تھی۔عوام میں صرف وہی لوگ تھے جن کا تعلق اونچے طبقے سے تھا۔سب ہی لوگ کمار کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔سب کی آنکھوں میں انتقام اور نفرت کے جذبات تھے۔سب سے زیادہ نفرت پجاری آنند کی آنکھوں میں تھی۔کمار سر اٹھائے پھانسی کے پھندے کے تختہ پر کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی شرمندگی نہیں تھی۔جلاد حکم کا منتظر تھا تا کہ راجا ادیش دیں اور پھر کمار کو پھانسی دی جاسکے۔

''مجھے پھانسی دینے سے کچھ نہیں ہوگا مہاراج۔اگر پھانسی دینا ہے اپنی سوچ کو دیں۔کوئی منش چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا۔وہ چھوٹا بڑا اپنے کرموں سے ہوتا ہے۔ایک وقت آئے گا۔جب یہ چھوت چھات ختم ہوگی۔تم مجھے ضرور مٹادو مگر میں واپس آؤنگا اس جنم میں نہ سہی۔اگلے جنم وہ میری ضرور ہوگی۔راج کماری کو ایک دن میں ضرور حاصل۔۔۔۔'' اسکے الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ جلاد نے تختہ کھینچ لیا۔

منٹ بھی نہ لگے تھے کہ اس کم ذات کی لاش جھولنے لگی تھی۔سب نفرت بھری نظروں سے اس جھولتی لاش کو دیکھ رہے تھے۔مگر ایک چیخ نے سب کی توجہ اس لاش کی طرف سے ہٹادی۔ وہ چیخ راجکماری تھی جو کہ لاش کو دیکھ کر چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔اسی پل سپاہی اس کی جانب بڑھے مگر اس نے کمر سے اڑسا خنجر باہر نکال لیا۔کسی کو پتہ ہی نہ تھا کہ وہ کیا کرنے جارہی ہے۔پھر ایک اور چیخ ابھری۔یہ راج کماری کی آخری چیخ تھی۔اس نے خنجر سے خودکشی کرلی تھی۔مرتے وقت اس کی زبان پر آخری الفاظ تھے کہ''ہم دوبارہ جنم لیں گے۔''

سب ہی لوگ ان لاشوں کو حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے لیکن پجاری آنند کی آنکھوں میں نفرت اور حقارت سے شکست کا احساس نظر آرہا تھا۔جس راجکماری کو وہ حاصل

کرنا چاہتا تھا اسی کو لاش بنے دیکھ رہا تھا۔

"مہاراج۔ میرا گیان کہتا ہے کہ یہ دونوں روحیں دوسرا جنم لیں گی۔ اور ان کو روکنا ہوگا ورنہ انرتھ ہو جائے گا۔" پجاری آنند نے لاشوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا کریں۔ راجکماری نے سارے ونش پر کالک پوت دی۔" راجا غمزدہ لہجے میں بولا۔

"ان لاشوں کو اگنی نہیں دیں گے۔ میں اپنی ودیا سے راجکماری کی لاش کو سونے کا بنا دوں گا۔ اور نیچ کی لاش کو تابوت میں بند کر دیں گے۔ جب ان کو اگنی نہیں ملے گی تو وہ دوسرا جنم نہیں لے سکیں گے۔ پھر ہم ان لاشوں کو تاریک وادی میں چھپا دیں گے۔ جو بھی کوئی ان کو ڈھونڈے گی میری آتما اس کا راستہ روکے گی۔ جب تک چندر پتر نہ آجائے نہ ہی یہ لاشیں ڈھونڈی جا سکیں گی۔"

سب کو یہ بات پسند آئی تھی پھر ان لاشوں کو ایک خاص عمل سے گزارا گیا۔ اور ان دونوں لاشوں کو تاریک وادی کے دو چہروں والے مندر میں چھپا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا، کسی کو معلوم نہیں۔۔۔ دستاویز آگے خاموش۔

☆......☆......☆

"پھر کیا ہوا اس دلچسپ داستان کا اختتام کیا ہوا۔" میں نے مادھون سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" مادھون نے شانے اچکائے۔

"تو ہمیں سونے کی ان لاشوں کو ڈھونڈنا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں سونے کی لاش راج کماری کی تھی۔۔ بات سمجھ آگئی تیرے۔۔"

"اب ہمری برسوں کی تپسیا پوری ہو گی۔۔ پوری ہو گی۔" اتنا کہہ کر وہ قہقہہ لگانے لگا تھا۔

"مادھون، تم نے نقشہ کا باقی حصہ تو بتایا نہیں۔"

"وہ تاریک وادی کا راستہ ہے۔ وہ نقشہ میں نے سمجھ لیا ہے۔"

"تو ہم لوگ اب تاریک وادی جائیں گے۔"

"تاریک وادی۔۔ایک وادی ہے جس کی زمین کا رنگ نیلا ہے وہ وادی موت کی وادی جہاں قدم قدم پر موت کا سامنا ہے۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"جب خزانہ مل گیا ہے تو میرا وعدہ ہے تم جہاں کہو گے وہاں تم کو تمہارے حصے کے ساتھ پہنچا دوں گا۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد خاموشی سے تیاریاں کی گئیں اور پھر ہم اس طویل سفر پر نکل پڑے جہاں قدم قدم پر موت کا سامنا تھا۔ ہمارا سفر سمندر کے ذریعے کے تھا۔

☆......☆......☆

بحری جہاز سی ایگل سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کا سینہ چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ہم گزشتہ بیس دن سے اس جہاز پر سوار تھے۔ ہماری منزل ملک افریقہ تھا۔ افریقہ سے ہمیں کہاں جانا تھا یہ صرف مادھون ہی جانتا تھا۔ لیکن سمندر کا سفر میری زندگی کا یادگار سفر تھا۔ جو لوگ کبھی بحری جہاز میں سفر کر چکے ہیں۔ وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ سمندر کا کتنا خوبصورت اور ایڈونچر سے بھرپور ہوتا ہے۔ ہمیں سفر کا آغاز کیے ہوئے آج چوتھا دن تھا۔ موسم معتدل تھا۔ سمندر کی خشک ہوائیں چہرے پر ایک عجیب سا احساس پیدا کر رہی تھیں۔ میں عرشے پر کھڑا سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ صرف ایک روز پہلے ہی سی ایگل کے تجربہ کار اور بوڑھے کپتان نے ہمیں کہا تھا کہ ہم عنقریب بحرالکاہل کے طوفانوں سے دوچار ہونے والے بوڑھے کپتان کا تعلق اسپین کے ایک کرسچن گھرانے سے تھا۔ اس کی عمر ساری زندگی سمندری سفر کرتے ہوئے گزری تھی۔ سی ایگل کی داستان بھی بڑی دلچسپ

تھی۔ یہ جہاز ایک عیاش نواب زادے کی ملکیت تھا۔ جس نے بڑی ہی محنت سے اپنی پسند سے بنوایا تھا۔ اس جہاز پر تین سال تک خوب عیاشی کی پھر ایک روز دل بھر جانے پر اس نے جہاز کو فروخت کر دیا۔ اس جہاز کو جہاز ران کمپنی نے خریدا اور تب سے کپتان بیس سال سے اس جہاز پر کپتانی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔

میں نے اور مادھون نے ایک ہی کیبن بک کیا تھا۔ مادھون اپنے جسم کی بدبو سے بچنے کے لئے پرفیوم کا مستقل استعمال کیا کرتا تھا تاکہ اس کی بدبو کم ہو سکے۔ وہ ہر وقت صاف ستھرا رہنے کی کوشش کرتا اور اچھے کپڑے پہنتا تاکہ لوگوں کے درمیان کھپ سکے۔ میرے برابر والے کیبن میں ایک دیسی عیسائی لڑکی روزی اپنے منگیتر کے ساتھ مقیم تھی۔ روزی کو دیکھ ہمیشہ ہی مجھے اپنی نائلہ یاد آجاتی لیکن میں نے اس سے کبھی فری ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا منگیتر مجھے ایک شکی مزاج انسان معلوم ہوتا تھا۔ جب کبھی روزی کسی مرد سے ہنس کر بات کرتی تو وہ ان دونوں کو یوں گھورنے لگتا جیسے کچا چبا جائے گا۔ میں عرشے پر کھڑا موجوں کے تلاطم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

میرے علاوہ اور دوسرے مسافر بھی تھے جو کہ عرشے پر کھڑے تھے۔ کوئی سگریٹ پی رہا تھا تو کوئی دوربین سے فضا میں نجانے کیا تلاش رہا تھا۔ شام کے چار بج چکے تھے میں۔ موسم بڑا خوشگوار اور سہانا تھا۔ دھوپ میں حدت کے بجائے خنکی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد میں اور مادھون تھوڑی دیر کے لئے لیٹ گئے تھے۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ مادھون کیبن میں نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید کیبن سے باہر گیا ہوگا یا واش روم میں ہوگا۔ چنانچہ جب میں کیبن کے اندر بنے واش روم میں گیا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ میں حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کر کے باہر نکل آیا تھا اور عرشے پر کھڑے ہو کر موجوں کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ

ہی لمحے گزرے تھے کہ اچانک مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ میرے برابر والے کیبن کی روزی تھی جو اس وقت بلیو جین اور ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔

''ہیلو مسٹر امجد۔ کیسے ہیں؟'' وہ مسکراتی ہوئی میرے نزدیک آ گئی۔

''ٹھیک ہوں مس روزی، آپ اپنی سنائیے۔''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔''

''مس روزی۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''آپ میرے ساتھ کھڑی ہیں۔ اگر البرٹ آ گیا تو مجھے کچا کھا جائے گا۔''

جواب میں روزی ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی سن کر ایک بار پھر مجھے اپنی نائلہ یاد آنے لگی تھی۔

''نہیں مسٹر امجد ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ بہت ملنسار انسان ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے وہ آرام کر رہا ہے۔''

اس کی بات کے جواب میں، میں نے مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ پھر بولی۔ ''مسٹر امجد! آپ کا دوست بڑا عجیب سا انسان ہے۔''

''کیوں، ایسا کر دیا اس نے؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''مجھے تو وہ عجوبہ لگتا ہے۔ توبہ ہے۔ لڑکیاں بھی اتنی تیز پرفیوم نہیں لگاتیں جتنی وہ لگاتا ہے۔ دماغ پھٹنے لگتا ہے۔''

اس کی بات سن کر میں سنجیدہ ہو گیا۔ وہ مجھ سے مادھون کی شکایت کر رہی تھی کہ مادھون اس قدر تیز پرفیوم لگاتا ہے۔ میں اسکو کیا بتاتا کہ وہ پرفیوم لگانا چھوڑ دے تو کوئی اس کے پاس بیٹھے گا بھی نہیں۔ کچھ تو جواب دینا تھا اس لئے میں نے سوچ سمجھ کر کہا۔

''دراصل وہ بہت حساس ہے، بدبو سے سخت نفرت کرتا ہے۔''

میری بات سن کر مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے کہ میں نے انتہائی بے وقوفی کی بات کر دی ہو۔ پھر وہ چند لمحات کے بعد مسکرائی اور کہنے لگی۔

''اگر آپ نہیں بتانا چاہتے کوئی بات نہیں مگر بہانہ اتنے احمقانہ مت گھڑیے۔''

اس کے اس طرح ٹوکنے پر میں بری طرح شرمندہ ہو گیا اور دوسرے پل پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''مجھے خود نہیں پتہ۔''

''آپ شرمندہ نہ ہوں۔ میں نے ویسے ہی کہا تھا۔''

''کوئی بات نہیں۔''

چند لمحوں تک ہم لوگ یونہی کھڑے رہے۔ عرشے پر بے شمار لوگ تھے جو کہ سمندر کا نظارا کر رہے تھے۔ اچانک وہ فضا میں اڑتے ہوئے ایک پرندے کو دیکھ کر بچوں کی طرح تالیاں بجانے لگی تھی۔

''پتہ ہے مجھے پرندے ہمیشہ سے بہت پسند ہیں۔ معصوم اور آزادانہ کسی کو نقصان نہ پہنچانے والے۔'' اس کے چہرے پر بچوں کی معصومیت در آئی۔ اس کے چہرے پر معصومیت دیکھ کر مجھے بہت ہی اچھا لگا۔ چند لمحوں پہلے کی شرمندگی تھی وہ اس میں ڈھل گئی۔

''چلو۔ کافی پی کر آتے ہیں۔'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

نا جانے کیوں مجھے روزی بہت اچھی لگی تھی۔ شاید نائلہ کے بعد یہ دوسری لڑکی تھی جو مجھے اچھی لگ رہی تھی۔ چنانچہ ہم دونوں کافی پینے کی نیت سے کینٹین میں آ گئے۔ کینٹین میں اور دوسرے مسافر بھی تھے جو کہ چائے، کافی اور دوسرے مشروبات سے شغل کر رہے تھے۔ کینٹین میں داخل ہو کر ہم نے اپنے آرڈر پلیس کیے اور میز پر آ کر بیٹھ گئے۔ ہم دونوں کو بیٹھے ہوئے

تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ویٹر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ کافی بہت اچھی اور اسٹرونگ تھی جس کو پی کر ہم کو بہت ہی اچھا لگا۔ کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ اچانک میں نے البرٹ کو ہماری میز کی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ اس کے تیور مجھے کچھ زیادہ اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ چند لمحوں کے بعد وہ میز پر آ کر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا بھی نہیں اور روزی کی طرف دیکھ کر قدرے درشتی سے بولا۔

''آنے سے پہلے مجھے جگا تو دیتی۔ ساتھ آ جاتے۔'' اس کے لہجے میں مجھے غصہ محسوس ہوا تھا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ مجھے ایسا لگا کہ ناراضی کا اظہار وہ میرے لئے کر رہا ہے۔

''ڈارلنگ! تم سوئے ہوئے تو اُٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔''

''اس لئے تم دوسروں کے ساتھ چلی آئی۔''

''پلیز۔۔ البرٹ اب شروع نہ ہو جانا۔'' اس نے ناراضی سے کہا۔

البرٹ چند لمحات تک اس کو دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''چلو بلیئرڈ روم میں چلتے ہیں اور بلیئرڈ کھیلیں گے۔''

''مگر میں نہیں جانا چاہتی۔۔ میں کافی پینا چاہتی ہوں۔'' اس نے احتجاج کیا۔

''ڈارلنگ! کافی بلیئرڈ روم میں بھی ملتی ہے۔۔'' وہ مجھے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا تھوڑا سخت لہجے میں بولا۔

''میں نہیں جاؤں گی البرٹ۔''

اس کی بات سن کر البرٹ کے چہرے پر غصہ در آیا۔ اس نے کمال پھرتی سے اپنے غصہ کو کنٹرول کیا قدرے سنجیدگی سے بولا۔

”دیکھو۔تم جانتی ہو کہ تمہاری بات کی کوئی اوقات نہیں ۔ویسے بھی تمہاری اپنی کوئی مرضی نہیں،تم جانتی ہو میں ایسا کیوں ہوں۔شاباش اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔“

اسکی بات کے جواب میں روزی کے چہرے پر مردنی چھا گئی اور اس نے مجھے ایسا دیکھا کہ جیسے میری کمپنی چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی ہو مگر مجبور ہو۔وہ نہ چاہتے ہوئے بھی البرٹ کے ساتھ باہر چلی گئی مگر اس کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔اس کے جانے کے بعد میں اپنی کافی پینے لگا۔جب میں کیبن سے باہر نکلا تھا تو کیبن میں مادھون میں نہیں تھا۔نا جانے وہ کہاں تھا۔اچانک میری نظر مادھون پر پڑی جو کہ شراب کے کاؤنٹر پر بیٹھا تھا۔اس نے بہت زیادہ شراب پی رکھی تھی ۔میں سیدھا مادھون کے پاس گیا۔وہ اپنے آپے میں نہیں تھا مجھے دیکھ کر وہ دیوانوں کی طرح ہنسنے لگا۔

”تو۔تو نے اپنی پریمیکا کا خون کر دیا۔“وہ میری طرف انگلی نچاتے ہوئے بولا۔

اس کی بات سن کر دوسرے لوگوں نے چونک کر پہلے اس کی طرف اور پھر میری طرف دیکھا۔معاملے کی سنجالنے کے لئے میں نے فوراً ہی کہا۔

”لگتا ہے بہت زیادہ پی لی ہے اس نے۔“

مادھون نے شراب زیادہ پی لی تھی ۔ایسا نہ ہو کہ وہ نشے میں کہیں پھنسوا نہ دے۔میں اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ میرے ہاتھ کو جھٹک کر بولا۔

”جب آتما سڑ جاتی ہے تو شریر بدلنا پڑتا ہے۔“

اس کی بات سن کر دوسرے لوگ اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔شاید شراب کا نشہ زیادہ ہو گیا تھا۔اسکی یہ بے مطلب بات میری سمجھ نہیں آئی۔میں نے فوراً ہی اس کو اٹھانے کی کوشش کی۔مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اب زیاہ شراب پی کر کتے کی طرح قے نہ کر دے،لیکن

اس نے اٹھنے کے بجائے میرا ہاتھ جھٹکا اور جھومتا ہوا کینٹین سے باہر نکل گیا۔اس کے جاتے ہی لوگ ہنسنے لگے تھے۔میں واپس اپنی میز پر آ گیا اور کافی سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔

اچانک میں نے باہر شور کی آواز سنی پھر ساتھ ہی کسی کے زور زور سے چلانے کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔میں فوراً ہی تجسس کے پیش نظر باہر نکل آیا۔

میں نے دیکھا ایک نہایت ہی بوڑھی عورت جس کی عمر ستر سال کے آس پاس تھی مادھون کو بددعائیں دے رہی تھی۔سب سے زیادہ حیرانی اس بات کی تھی کہ مادھون کی آنکھوں میں مجھے خوف دکھائی دیا۔بوڑھی عورت کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا جبکہ اس کا حلیہ بھی نہایت ہی عجیب وغریب تھا۔اس نے سر سے پیر تک سیاہ رنگ کا لمبا چوغہ پہن رکھا تھا۔اس کے گلے میں مختلف رنگوں کی موٹے دانوں والی مالائیں نظر آ رہی تھیں۔ایک مالا کھوپڑیوں کی بھی تھی۔وہ اپنی خون آلود پیشانی پونچھتی ہوئی مادھون کو حقارت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں سخت غصہ کی کیفیت تھی۔

''زاغولی۔۔مبومباسا۔۔پی شا۔''وہ عجیب وغریب زبان میں غصہ کا اظہار کر رہی تھی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہے۔''میں نے ایک دوسرے آدمی سے پوچھا جو کہ افریقی معلوم ہوتا تھا۔

''یہ بددعائیں دے رہی ہے۔کہہ رہی ہے کہ تم برباد ہو جاؤ،تباہ ہو جاؤ۔''

''یہ کیا پاگل ہے۔''

میری بات سن کر وہ آدمی چونک گیا۔

''ایسا مت کہو۔یہ عورت افریقہ میں بہت مقدس مانی جاتی ہے۔نا جانے کیا آفت آئے گی۔۔''وہ لرزتے ہوئے بولا۔

اچانک وہ عورت مادھون کی طرف دیکھ کر معنی خیز لہجہ میں مقامی زبان میں بولی۔

''میں جانتی ہوں۔۔تو کون ہے اور کس مقصد کے لئے جارہا ہے پر مقدس جاراکا نے چاہا تو کامیاب نہیں ہوگا۔تو تباہ ہوگا۔۔جب تک سمندر کے سفر میں ہے تیری فالتو کی قوتیں تجھ سے دور رہیں گی۔مقدس جاراکا نے چاہا تو شکست کھائے گا۔یہ دیوتاؤں کا اٹل فیصلہ ہے۔''

اس کی بات سن کر میں نے دیکھا کہ مادھون کے چہرے پر مردنی چھا گئی ہے۔وہ اس عورت کے سامنے گڑگڑانے لگا۔

''دیوی۔۔مجھے شما کردے۔۔شما کردے۔''

''معافی اور تجھے۔۔'' وہ ہذیانی انداز میں قہقہے لگانے لگی۔پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے۔غیظ سے بھرے لہجے میں عجیب وغریب زبان میں چلانے لگی۔کافی دیر تک وہ چلاتی رہی۔عرشے پر موجود مسافر یہ سب منظر دیکھ رہے تھے۔اسی لمحے میں نے کپتان کو وہاں آتے دیکھا۔اس بوڑھی ساحرہ کو دیکھ کر کپتان کے چہرے کے تاثرات ہی بدل گئے۔کپتان اس بوڑھی عورت کو عقیدت اور خوف بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔اچانک اس عورت نے ایک ایسی حرکت کی جس سے سارے عرشے پر موجود لوگوں میں خوف پھیل گیا۔ وہ بھاگتی ہوئی عرشے کی ریلنگ پر چڑھی اور دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سمندر میں گرا دیا۔وہاں موجود کئی خواتین کی چیخیں نکل گئیں۔

''یہ اچھا نہیں ہوا۔وہ عورت ایک عرصے سے جہاز پر سفر کررہی ہے۔اس کی بددعا ضرور رنگ لائے گی۔'' کپتان نے فکرمندی سے کہا۔

اسی لمحے ایک انگریز مسافر کپتان کی طرف آکر انگلش میں بولا۔

''کیا ہوا مسٹر جوزف، وہ بوڑھی عورت پاگل ہے۔''

اس کی بات سن کر کپتان کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"مسٹر مارٹن! میرا بیس سال کا تجربہ ہے جہاز رانی کا۔ مقدس جاراکاکا افریقہ کے خطرناک قبائل کا دیوتا کہلاتا ہے۔ جب بھی اس نے جاراکاکا کے نام پر بددعا دی ہے وہ بددعا دینے کے بعد وہ ہمیشہ ہی سمندر میں کود جاتے ہیں۔ جاراکاکا کے پجاریوں کا یہی دستور ہے۔"

جواب میں مارٹن ہنسنے لگا تھا۔ میں نے دیکھا کہ کپتان کے چہرے پر پریشانی ہے۔ اچانک وہ میری طرف آیا اور کہنے لگا۔

"مسٹر امجد، آپ برا مت مانیں۔ آپ لوگ اگلی بندرگاہ پر جہاز سے اتر جائیں۔" اس نے خوف سے کہا۔

"کیوں۔۔۔ ہم نے پورا کرایہ دیا ہے۔"

"آپ لوگ کی وجہ سے اس جہاز پر مصیبت آئے گی۔"

"سوری ہم نہیں اتر سکتے۔"

اتنا کہہ کر میں اپنے کیبن کی طرف چل پڑا جبکہ مادھون بھی میرے ساتھ تھا۔ کپتان ہم دونوں کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اچانک کپتان ہمارے پیچھے سے چلایا۔

"اترنا تو پڑے گا یہ کپتان کا حکم ہے۔" ☆

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور چلتا رہا۔ چلتے چلتے اچانک مجھے یاد آیا کہ مادھون کو اس عورت نے بددعا دی تھی کہ تمہاری قوتیں سمندر کے اس سفر میں تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گی۔ یہ سوچ کر میرے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ مادھون میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ مادھون کی قوتیں تو ختم ہو چکی ہیں۔ اب وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دوسری بندرگاہ آتے ہی جب کپتان ہمیں اتارے گا تو میں وہاں سے بھاگ جاؤں

گا۔اچانک میں نے سوچا کہ مجھے کپتان سے ملنا چاہیے، پوچھنا چاہیے کہ آخر وہ اتنا ڈرا ہوا کیوں ہے؟ ہم دونوں اپنے کیبن میں داخل ہو گئے۔مادھون جا کر بستر پر بیٹھ گیا۔اس کے چہرے سے پریشانی چھلک رہی تھی۔یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی ہارا ہوا انسان ہو۔

''کیا واقعی میں تمہاری قوتیں ساتھ چھوڑ گئیں۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔۔اس بڈھی کا شراپ لگ گیا ہے۔مجھے ایسا لگ رہا کہ ہمرا پورا شریر خالی ہو گیا ہے۔ہر طرف اندھیارے ہیں۔''

''اوہ۔۔۔''

''مگر تو سمجھ ہار تو ہمری جندگی میں ہے ہی نہیں۔۔وہ بڈھی کیا سمجھتی ہے کہ ہرا دے گی۔۔نہیں۔'' وہ اچانک ہی دیوانوں کی طرح بولا۔

میں اس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔اس کی حالت اس انسان کی طرح تھی جس نے جوئے میں اپنا سب کچھ ہار دیا ہو۔اچانک اس نے میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔

''تو سمجھ رہا ہے کہ جب کپتان اتارے گا تو تو وہاں سے بھاگ جائے گا۔ایسا نہیں ہو گا۔۔۔سمجھا تو۔''

اس کی بات سن کر میں بھونچکا رہ گیا۔اس کو کیسے پتہ چلا کہ میں نے بھاگنے کا ارادہ کر لیا ہے۔اس کا مطلب اس کی قوتوں نے پوری طرح سے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے خیر جیسا بھی ہے کپتان جب مجھے اتارے گا میں اسی وقت وہاں سے بھاگ کھڑا ہوں گا۔مجھے یقین تھا کہ یہ مجھے نہیں ڈھونڈ پائے گا۔

''میں ہار نہیں مانوں گا۔۔دیوی کی آگیا لوں گا۔'' وہ از خود بڑبڑایا۔

اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور الماری سے اپنا بیگ نکال لیا۔چند لمحوں کے بعد بیگ سے جو چیز برآمد

کی وہ ایک سیاہ رنگ کی ایک بدشکل مورتی تھی جو کہ یقیناً کالی دیوی تھی۔ مورتی کا قطر چھوٹا تھا۔ مادھون نے مورتی کو عقیدت سے دیکھتے ہوئے بیڈ پر کھڑا کر دیا۔ وہ مورتی سے عقیدت اور محبت کا اظہار کرنے لگا تھا۔ اس کو شرک کرتے دیکھ کر میری روح کانپ گئی، مگر وہ اس مورتی سے اس طرح محبت کا اظہار کر رہا تھا کہ جیسے کہ سب کچھ اسی سے ہی وابستہ ہو۔ اچانک اس نے بیگ سے ایک چھرا نکالا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کے بازو سے سیاہ رنگ کا خون برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ سیاہ رنگ کا خون مادھون کا تھا جس سے اس نے اپنی دیوی کو غسل دیا۔ پھر وہ سجدے میں گر گیا۔ کافی دیر تک گرا رہا، حتیٰ کہ مجھے ایسا لگنے لگا کہ کہیں یہ مر تو نہیں گیا لیکن ایسا نہیں تھا۔ پھر اس کو اسی طرح سجدے میں پڑا چھوڑ کر میں کیبن سے باہر نکل آیا۔ نا جانے کیوں مجھ سے وہ منظر دیکھا نہیں جا رہا تھا جو کہ نظروں کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اس کا سیاہ خون دیکھ کر میرا دل خراب ہو گیا تھا۔

میں کیبن سے باہر نکل آیا تھا۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ عرشے پر بڑی ہی ٹھنڈی اور پرسکون ہوائیں چل رہی تھیں۔ میرا ارادہ کپتان کے کیبن کی طرف جانے کا تھا جو کہ جہاز کے گراؤنڈ پر تھا۔ کچھ ہی دیر کے بعد میں کپتان کے کیبن کے پاس تھا۔ میں نے دراوزہ بجایا اور اجازت ملنے پر میں اندر چلا گیا۔ کپتان کرسی پر بیٹھا شراب نوشی کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے مجھ سرسری سی نظر ڈالی اور پھر دوبارا اس مشروب حرام سے شغل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

”بیٹھو۔“ اس نے نشہ کی ہلکی سی لہر میں کہا۔ میں بیٹھ گیا۔

”شراب پیو گے۔“ اس نے شراب کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں شکریہ۔“ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

”میں جانتا ہوں تم کیوں آئے ہو۔“ اس نے شراب کا ایک سپ لیتے ہوئے کہا۔

”میں صرف اتنا معلوم کرنے آیا ہوں کہ۔۔ایک پاگل عورت کی خودکشی پر آپ ہمیں جہاز سے کیوں اتار رہے ہیں۔“

میری بات سن کر اس کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو گئے۔اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا کہ اس کا چہرا خوف سے پیلا پڑ گیا ہو۔

”تم اس عورت کے بارے میں نہیں جانتے اس لئے ایسا کہہ رہے ہو۔اس کی خودکشی میرے جہاز پر قہر لا سکتی ہے۔“

میں اس کی لاجک سن کر حیران رہ گیا کہ ایک نہایت پڑھا لکھا انگریز اتنی توہم پرستی کی باتیں کیوں کر رہا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ انگریز بہت روشن خیال اور اعتدال پسند ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے ان سے زیادہ توہم پرست کوئی نہیں ہے۔خیر میرے چہرے پر موجود سوالات کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔

”مسٹر امجد! آپ شاید عظیم افریقہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔اس لئے ایسا کہہ رہے ہیں۔“

”کچھ بتانا پسند کریں گے آپ۔“ میرے لہجے میں طنز در آیا۔

میری بات سن کر وہ مسکرایا اور میرے طنز کو نظر انداز کر کے بولا۔

”میرے عزیز، میں عمر اور تجربہ میں تم سے بڑا ہوں۔۔اس لئے تم سے بہتر جانتا ہوں۔تم شاید افریقہ کے طلسم کے بارے کچھ میں نہیں جانتے۔افریقہ کا طلسم اتنا خطرناک ہے مُردوں میں بھی جان ڈال دے۔“

اس کی بات سن کر میرے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

”میرے دوست، دنیا میں کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو عقل سلیم کی کسوٹی پر نہیں اترتی،

وہ باتیں ذاتی تجربوں کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔“

”آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کو کچھ ذاتی تجربات ہوئے ہیں۔“

میری بات سن کر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا۔

”میرے عزیز، جب بھی ہم افریقہ کی بندرگاہوں سے گزرتے ہیں تو اپنے کیبنوں میں ہی سمٹے رہتے ہیں۔ آج سے کوئی ایک سال پہلے کا واقعہ ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوا۔ اس کے انداز سے ایسا لگا کہ جیسے وہ یادداشت پر زور دے رہا ہو۔ لمحاتی توقف کے بعد وہ بولا۔

”بیروت سے ایک مسافر چڑھا تھا اس کو بھی افریقہ جانا تھا۔ افریقہ کے پانیوں سے گزرتے ہوئے اس سے ایک غلطی ہوگئی۔“ اتنا کہہ کر اس کا لہجہ ڈرامائی ہوگیا۔

اس کے ڈرامائی لہجے سے مجھے ایسا لگا کہ جیسے کہ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے اپنے لہجے میں اتار چڑھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی وہ کہہ رہا تھا۔

”اس بدنصیب مسافر کا نام جان کارک تھا۔ وہ سفید فام امریکی مسافر افریقی قبائل پر ڈاکومنٹری فلم بنانے کی خواہش رکھتا تھا۔ اس نے اپنے سفر کا آغاز استنبول سے کیا تھا۔ وہ بڑا ہی خوش مزاج اور بات بات پر لطائف سنانے والا انسان تھا۔ عملے سے اور دوسرے مسافروں سے یوں گھل مل گیا تھا جیسے ان کا دوست ہو۔ وہ مڈغاسکر سے بوغا تک جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے اس کو سمجھایا، باز رکھا مگر نہ مانا۔ لیزا ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ جان کو پسند آگئی۔ اس کے شوہر کا نام مڈونگا تھا۔ مڈونگا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے۔ وہ اجلی، دودھ کی طرح سفید اور وہ سیاہ کوئلے کی طرح کالا۔ نا جانے کیوں مجھے لیزا بہت ڈری ڈری نظر آتی۔ مڈونگا کم بخت ایک وچ ڈاکٹر تھا۔ پراسرار علوم کے

علاوہ افریقی طب پر مہارت حاصل تھی اس کو۔ لیزا کو سہما سہما دیکھ کر جان نے اس کی طرف قدم بڑھائے اور بہت جلد اس کو کامیابی حاصل ہوئی لیکن یہ بات اس مردود کو ہضم نہ ہوئی۔ بہت جلد ہی اس کو پتہ چل گیا اور اس نے جان کو باز رکھنے کی کوشش کی مگر جان نہ مانا۔ پھر ایک روز اس نے جان کو بددعائیں دیتے ہوئے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ اس واقعے کے بعد لیزا کا ڈر و خوف ختم ہو گیا۔ جان اور لیزا دونوں خوش رہنے لگے۔ ٹھیک تین روز کے بعد لیزا خون تھوک کر مر گئی اور جان نے نا جانے کس خوف کی وجہ سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ پانچویں روز جہاز میں ایک بیماری پھیل گئی۔ مسافروں کے چہرے سرخ ہونے لگے اور ان میں سوزش ہونے لگی تھی۔ جب یہ زیادہ بڑھا تو ہم کو اپنا سفر ترک کرنا پڑا۔''

اس نے اپنی بات مکمل کی تو میں اس کے چہرے پر خوف دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے کہ وہ کانپ رہا ہو۔

''پلیز تم لوگ اگلی بندرگاہ پر اتر جاؤ۔''

اس کی بات میں خوف تھا۔ ایک درخواست تھی۔ وہ یوں لرزہ براندام ہو رہا تھا جیسے اس کے پورے وجود پر زلزلہ طاری ہو۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا اور وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کیبن کی طرف چل پڑا۔ کیبن میں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ مادھون بستر پر تکیہ کے سہارے بیٹھا ہے۔

''دیوی کا ادیش ہے، سمے کا انتظار کر۔'' اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور واپس آ کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ واقعی اگر اس کی قوتیں ختم ہو چکی ہیں تو پھر مجھے فرار ہو جانا چاہیے، لیکن اس عورت نے کہا تھا کہ اس کی قوتیں سمندر میں کارآمد نہیں ہونگی لیکن خشکی پر تو یہ مجھے ڈھونڈ لے گا، کسی بھی طرح اگلی بندرگاہ پر اتر کر بھاگ

لوں گا۔ بعد میں کسی درویش کو ڈھونڈ کر اس سے جان چھڑا لوں گا۔ اسی خیال نے مجھے تقویت عطا کی تھی۔

"تو مجھ سے جان چھڑانے کے بارے سوچ بچار کر رہا ہے۔" اچانک وہ مجھے مخاطب کر کے بولا۔

اس کی بات سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا کہ قوتیں ختم ہو جانے کے باوجود بھی اس کو کس طرح پتہ چلا کہ میں اس سے بھاگنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ مجھے یوں حیرت زدہ دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا اور کہنے لگا۔

"مجھے اتنا کمزور مت سمجھ۔۔ دیوی کا آشیرواد میرے ساتھ ہے۔"

"تیرا دماغ بھی تیری طرح بدبودار ہو گیا ہے۔ میں تجھے چھوڑ کر کیوں جاؤں گا۔"

میری بات سن کر وہ مکروہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"تو جا بھی نہیں سکتا۔ یاد رکھنا میں تجھے کتوں والی جندگی پر مجبور کر دوں گا۔" اتنا کہہ کر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اور میں حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک میں یونہی بیٹھا رہا۔ کچھ دیر گزری ہو گی کہ اچانک کیبن کا دروازہ بجا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے روزی کھڑی تھی۔ روزی کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

"جی مس روزی۔"

"اپنے کیبن میں ڈر لگ رہا تھا کہ سوچا آپ کے پاس چلی آؤں۔"

"موسٹ ویلکم۔" میں نے اندر آنے کا راستہ دیا۔

اس کو اندر آتا دیکھ کر میں نے دیکھا کہ مادھون کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس مسکراہٹ کے کیا معنی تھے میں سمجھ نہیں پایا۔ روزی اندر آ کر میرے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ میں نے

روزی کے چہرے کی طرف دیکھا تو نا جانے کیوں مجھے اس کا چہرہ کچھ متورم دکھائی دیا۔ میں نے آنکھوں میں غم کے تاثرات محسوس کیے۔

''مس روزی۔۔البرٹ کہاں ہے؟''

البرٹ کی بات سن کر اس کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''پڑا ہے کیبن میں کتے کی طرح پی کر، میری ہمیشہ اس سے اسی بات پر بحث ہوتی ہے کہ اتنی مت پیا کرو۔۔اور تو اور، آج تو اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔'' اتنا کہہ کر وہ رونے لگی تھی۔

اچانک میں نے مادھون کو اُٹھتے ہوئے دیکھا جو کہ ہماری باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ نا جانے کیوں میں نے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھی تھی۔ مادھون کو باہر جاتا دیکھ کر میں نے اس سے پوچھا۔

''کہاں جا رہا ہے۔''

''شکار کرنے، مچھلی نے چارہ جو نگل لیا ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔اس کا جواب سن کر روزی نے اس کو چونک کر دیکھا اور میں بھی اس کے بے سر پیر کے جواب پر حیران رہ گیا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''سمجھ جاتا تو مادھون کی جگہ نہ ہوتا۔'' اتنا بول کر وہ ہنسنے لگا اور پھر گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔اس کے جواب نے میرے دماغ میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔نا جانے وہ کس مچھلی اور شکار کی بات کر رہا تھا۔نا جانے کیوں مجھے اس کے ارادے خطرناک نظر آ رہے تھے۔اس کے جانے کے بعد روزی نے اپنے آنسو پونچھے اور میری طرف دیکھ کر بولی۔

''مسٹر امجد! نا جانے کیوں آپ کا دوست خطرناک معلوم ہوتا ہے۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے معلوم تھا، اگر میں اس کو بتاتا کہ مادھون پراسرار قوتوں کا ماہر ہے۔ وہ کبھی یقین نہیں کرتی چنانچہ میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بعد دوسرا سوال پوچھ لیا۔

''تم البرٹ کو چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔۔۔ تمہاری تو شادی بھی نہیں ہوئی اس سے۔''

میری بات اس کے ہونٹوں پر ایک ایسی تلخ مسکراہٹ دوڑا گئی جس میں بے چارگی کا احساس نمایاں تھا۔ اس نے کافی چبھتے ہوئے لہجے میں میری بات کے جواب میں پوچھا۔

''کبھی کسی پرندے کو پنجرا توڑ کر آزاد ہوتے دیکھا ہے؟''

اس کے جملے سے مجھے اندازہ ہوا، وہ کس قدر درد اور کرب میں زندگی گزار رہی ہے چنانچہ کچھ تو بولنا ہی تھا۔

''لیکن کچھ پرندے ایسے ہوتے ہیں جو پنجرے سمیت ہی اڑ جاتے ہیں۔''

میری بات پر اس نے مجھے چونک کر دیکھا اور پھر بولی۔

''میں ان پرندوں میں سے نہیں ہوں، نہ اتنی ہمت ہے کہ میں اپنا پنجرہ توڑ سکوں۔'' اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس کو کیا جواب دوں۔ اچانک اس کی نظر شیلف میں چنی ہوئی شراب کی بوتلوں پر پڑی۔ وہ میری طرف ان نظروں سے دیکھنے لگی کہ جیسے وہ شراب کی طلب رکھتی ہو۔ میں اٹھا اور شراب کا ایک گلاس بھر کر اس کی جانب بڑھا دیا۔ شراب دیکھ کر وہ یوں اس پر ٹوٹ پڑی کہ جیسے صدیوں کی پیاسی ہو۔ کہا جاتا ہے کہ شراب انسان کو اندر اور باہر سے ننگا کر دیتا ہے۔ ایسا ہی کچھ روزی کے ساتھ ہوا۔ شراب پیتے ہی اس کا دماغ گرم ہوا اور پھر سچ باہر آنے لگا۔

”میرا باپ ایک جواری تھا، شرابی تھا۔ میری ماں بار ڈانسر تھی۔ پاپا روزانہ بار میں آتے اور ماں کا ڈانس دیکھتے اور پھر دونوں میں محبت ہوگئی۔ شادی کے ایک سال کے بعد میری ماں میرا بوجھ میرے باپ کے کندھوں پر ڈال گئی۔ زندگی بھر اس نے منشیات بیچی، جوا کھیلا اور ایک جوئے مجھے ہار دیا اور میرا مالک تھا البرٹ۔۔ وہی البرٹ جس کو رات میں حور سے کم نہیں لگتی۔ وہ مجھ پر اپنا تسلط رکھتا ہے۔ کہتا مجھے منگیتر ہے اور درحقیقت میں اس کی داشتہ ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ پھوٹ کر رونے لگی۔ اچانک اس نے ایک ایسی حرکت کی جس سے میرے رگوں میں موجود خون لاوا بن کر دوڑنے لگا۔ اس نے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا تھا۔ ایک آگ سی تھی جو میرے اندر دوڑنے لگی تھی۔ کامنی کے بعد یہ دوسری لڑکی تھی جو کہ میرے اتنے قریب ہوئی تھی۔ میں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اسی پل مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ میرے سامنے روزی کی جگہ میری نائلہ تھی۔۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اپنی نائلہ کو اتنے پاس دیکھ کر میرے جذبات بے قابو سے ہوگئے۔

”تم۔۔۔ مجھے معاف کردو۔۔ مجھے معاف کردو۔ بہت زیادتی کی تمہارے ساتھ۔“ میں روزی کو نائلہ سمجھ کر بول رہا تھا۔

اچانک میں نے نائلہ کو پہلے کسمساتے پھر اسے چونکتے دیکھا۔ اس سے قبل نائلہ کچھ کہتی میں نے اس کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ وہ پھر کسمسائی، دوسرے ہی پل پھر اس نے مزاحمت چھوڑ دی۔ نائلہ میرے سینے سے یوں لگی ہوئی تھی جیسے مجھ میں سائبان ڈھونڈتی۔ میں نے اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھے پھر اچانک میں نے اس کے جلتے ہوئے لبوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ یوں لگا کہ محبت کو منزل مل گئی ہو۔ ایک حلاوت سی تھی جو کہ گھلتی ہی چلی گئی۔ اچانک دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا اور وہ چونک کر مجھے الگ ہوگئی۔ یہ کیا وہ

نائلہ نہیں تھی وہ روزی تھی۔میں نے دیکھا کہ دروازے سے اندر داخل ہونے والا البرٹ تھا جس کے ہاتھ میں ایک ریوالور تھا۔جس کی نال میری طرف تھی۔ وہ آگ برساتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا حالانکہ کچھ دیر پہلے روزی نے کہا تھا کہ وہ نشہ کر کے پڑا ہے مگر وہ تو وہاں پر موت کی تصویر بنا کھڑا تھا۔روزی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔اس کے چہرے پر خوف تھا۔اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور دوسرا رنگ جاتا۔وہ بڑی ہی غیظ بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت تھی۔

''کتیا! آج میں تجھے اور تیرے یار کو جان سے ماردوں گا۔''وہ روزی کی طرف دیکھ کر غصہ سے بولا۔

مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور گولی چلادے گا۔اس لئے میں نے وقت ضائع کیے بغیر ہی اس پر چھلانگ لگادی۔میرے چھلانگ لگانے پر وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لڑکھڑا کر گر پڑا۔فلمی ہیرو کی طرح چھلانگ لگانا زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوا۔دو سیکنڈ بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ البرٹ مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔اس نے دونوں ٹانگوں سے میری گردن کے گرد شکنجہ قائم کردیا تھا جس کو وہ دباتا ہی جارہا تھا۔میرا سانس رکتا جارہا تھا۔

میں اپنے دفاع کے لئے کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا۔اچانک میرے ہاتھ میں زمین پر پڑا ریوالور آگیا۔میں نے وقت ضائع کیے بغیر فائر کردیا۔گولی نے اس کے سر کو اڑا کر رکھ دیا تھا۔وہ اچھل کر دور جاگرا۔گولی نے اس کو بھیجہ اڑا کر رکھ دیا تھا۔اس کے سر سے خون بہنا شروع ہوگیا۔چند لمحوں کے بعد وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔یہ سب دیکھ کر روزی کے حلق سے چیخ نکلی اور رونے لگی۔اسی لمحے مادھون کمرے کے اندر آگیا۔یہ سب دیکھ کر چند لمحے تک سناٹے کی کیفیت میں رہا اور پھر بولا۔

”دیکھا مچھلی نے چارا نگل لیا۔“ اتنا کہہ کر وہ ہنسنے لگا۔

”کیا مطلب ۔۔“ میں تیزی سے اٹھا اور دروازہ بند کرنے کے لئے آگے بڑھا میرے پورے کپڑے خون میں بھر چکے تھے۔

”تو بھاگ رہا تھا ناں ہمرے کو چھوڑ کر، اب دیکھ تو گلے گلے تک پھنس گیا ہے۔“ اتنا کہہ وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس کی بات سن کر میں چونک گیا۔ گویا یہ سارا کھیل اس کا رچایا ہوا تھا۔

”تو نے ٹھیک سمجھا۔ میں نے جا کر اس انگریز کو اٹھایا تا کہ وہ تیرے سے مرے۔“

اس کی بات سن کر میں چونک گیا۔ وہ مجھ پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں کہ وہ بولا۔

”چل اس لاش کو ٹھکانے لگاتے ہیں۔“

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ زوردار جھٹکا محسوس ہوا اور ہم تینوں اچھل کر دور جا گرے۔

”لگتا ہے۔۔ طوفان آیا ہے۔“ روزی نے چلا کر کہا۔

”لگتا تو۔۔۔“ میرے جملے منہ میں ہی تھے کہ ایک بار پھر شدید جھٹکا محسوس ہوا۔ ہم تینوں بری طرح سے گر گئے۔ جہاز بری طرح سے ڈولا تھا۔ مجھے کیبن کی ہر چیز ناچتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔

”باہر نکلو۔۔۔ نکلو۔۔“ روزا بری طرح سے چلا رہی تھی۔

اب جہاز بری طرح سے ہچکولے کھا رہا تھا۔ ہم سب دوڑتے ہوئے باہر نکلے۔ باہر طوفان بدتمیزی مچا ہوا تھا۔ پانی کی لہریں بہت زیادہ بلند تھیں۔ ہوا بہت تیز تھی۔ مسافر عرشے پر کھڑے بری طرح چلا رہے تھے۔ طوفان آ چکا تھا۔ اچانک میں نے کپتان کو بھاگ کر آتے

ہوئے دیکھا۔اس کے چہرے پر بدحواسی طاری تھی۔

"دیکھا آپ لوگوں نے، بد دعا رنگ لے آئی۔اب ہم لوگوں کا کیا ہوگا؟"

کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ جہاز کے ہچکولے کھانے کی رفتار بہت تیز ہو چکی تھی۔لوگ چیخ وپکار کر رہے تھے۔اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا پھر میں نے عرشے میں پانی کو آتے دیکھا۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی۔لائف بوٹ پر لوگوں کا ہجوم تھا۔اچانک میں نے کپتان کو لاوڈ اسپیکر روم میں جاتے ہوئے دیکھا۔عجیب طوفان بدتمیزی برپا تھا۔پورے جہاز میں چاروں طرف سے چیخ وپکار کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔اچانک کپتان کی لاوڈ اسپیکر پر چیختی ہوئی آواز ابھری۔

"میں مسافروں سے درخواست کرتا ہوں کہ عملے سے تعاون کریں تا کہ لائف بوٹ سمندر میں اتاری جاسکے۔جہاز کے پیندے میں متعدد سوراخ ہو چکے ہیں۔لوگوں کی جان بچانے میں ہماری مدد کریں۔"

اتنا سننا تھا کہ مسافروں میں عجیب سراسیمگی پھیل گئی۔ایک خوف کا عالم تھا۔بچے بوڑھے سب چیخ رہے تھے۔اس اعلان سے سب میں ہیجان برپا تھا۔کچھ مسافروں نے جانیں بچانے کے لئے سمندر میں چھلانگیں لگانا شروع کر دی تھیں۔مادھون مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی روزی۔

اچانک ایک دھماکے کی آواز ہوئی اور پورے جہاز میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔جہاز اب بپھری ہوئی موجوں کی طرح ہچکولے کھا رہا تھا۔بتدریج اندر دھنستا جا رہا تھا۔اچانک دھماکے کی آواز سے جہاز کا بوائلر پھٹ گیا اور پھر پانی جہاز کے اندر جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔اچانک مجھے ایک جھٹکا لگا اور پھسلتا ہوا جہاز کی ریلنگ سے میرا سر ٹکرایا تھا۔اس وقت میں نے ایک ہجوم

کا بوجھ اپنے اوپر محسوس کیا۔ پھر میرا دم گھٹنے لگا۔ وہ ہجوم خود بخود مجھ سے ہٹ گیا۔ زندہ انسانوں کے جسم بڑی ہی تیزی سے ادھر ادھر لڑھک رہے تھے۔ اچانک میں نے اپنے سر پر کسی چیز کو گرتے ہوئے محسوس کیا۔ پھر گھپ اندھیرا چھا گیا۔

☆......☆......☆

پھر میری آنکھ یوں کھل گئی، جیسے میں کچی نیند سے بیدار ہوا ہوں۔ سرد پانی کے تھپیڑے تھے جنہوں نے میرے اعصاب کو جھنجوڑ دیا تھا۔ میرا منہ کڑوا ہو چکا تھا۔ میرا دم گھٹ رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں زندہ ہوں یا مر گیا۔ بس ایسا احساس تھا کہ جیسے میں پانی میں اوپر نیچے ہو رہا ہوں۔ میں کھلے سمندر میں تھا۔ سمندر کی بے رحم لہریں مجھے ادھر سے ادھر کر رہی تھیں۔ لوگوں کی چیخ پکار کی آوازیں میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ پانی نہایت ٹھنڈا تھا۔ سی ایگل سمندر میں غرق ہو چکا تھا۔ رات کے اندھیرے میں، میں نے لوگوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ زندگی بچانے کی خواہش ہر چیز پر حاوی ہوتی ہے، چنانچہ میں نے تیزی سے ہاتھ پیر چلانے شروع کر دیے۔ اسی جدوجہد میں میرے ہاتھ میں ایک بڑا سا تختہ آ گیا۔ میں بجلی کی سی تیزی سے میں نے اس تختے کو پکڑ لیا تھا۔ وہ تختہ میری زندگی کو بچانے کا سبب بن گیا اور میں پھرتی سے تختے پر سوار ہو گیا۔ میں نے بہت مسافروں کو ڈوبتے ہوئے اور سمندر میں تیرتے ہوئے دیکھا۔

میں نے اپنے آپ کو تختے سے لپٹا لیا تھا۔ اس بوڑھی افریقی عورت کی بددعا درست ثابت ہوئی تھی۔ سی ایگل سمندر کی گود میں پہنچ چکا تھا۔ اتنا بڑا جہاز اتنی آرام سے ڈوب گیا، یقین نہیں تھا شاید یہ کسی پراسرار قوت کا کام تھا۔ نا جانے کتنے ہی لوگ تہہ آب ہو گئے تھے۔ اچانک مجھے دور سے ہیولے نظر آئے۔ میں نے تختے کی مدد سے تیز تیز ان ہیولوں کی جانب

بڑھنا شروع کردیا تھا۔ میں نے ہاتھوں کی مدد سے تختے کو دھکیلنا شروع کردیا تھا، کبھی میں ان بے رحم موجوں کے سامنے سر جھکاتا، کبھی ہار مانتا۔

اچانک مجھے ایک روشنی نظر آئی جو کہ ایک لائف بوٹ کی تھی جو کہ بالکل میرے نزدیک آ کر رک گئی۔ پھر دو ہاتھوں نے مجھے اوپر کھینچ لیا اور پھر مجھے یاد نہیں میرے ہر اعصاب جواب دے گئے تھے۔ میرا ہر احساس مردہ ہو چلا تھا۔ میرا جسم کسی ٹھوس شے پر پڑا ہوا تھا جب جسم میں کوئی حرکت پیدا ہوئی اور ذہن ان غنودگیوں سے باہر آیا، بدن کے اوپری حصے پر تپش تھی۔ کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا جبکہ زیریں حصہ نیم سرد محسوس ہو رہا تھا۔ جسم پر نقاہت تھی، آنکھ نہیں کھول پا رہا تھا، بس میں سن سکا رہا تھا۔ بول نہیں پا رہا تھا۔ اچانک کہیں دور سے ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''اس کو سمندر میں پھینک دینا مناسب ہوگا۔'' بولنے والا انگریزی میں بول رہا تھا۔ آواز میرے لئے اجنبی تھی۔

''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس طرح ایک بوجھ اور کم ہوگا۔'' دوسری آواز میرے لئے انجانی تھی۔

''نن۔ نہیں اس پر رحم کرو یہ زندہ ہے۔'' ایک نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ یہ آواز بھی میرے لئے جانی پہچانی تھی۔ یہ روزی کی آواز تھی۔

''اس کو سمندر کے حوالے کر دینے میں ہی عقلمندی ہے۔'' ایک اور آواز۔ یہ بھی میرے لئے انجان تھی۔

''کا ہے عقلمندی ہے۔ کوئی ہاتھ تو لگائے اس کو۔'' اس بار آواز مادھون کی تھی جو کہ میرے لئے بول رہا تھا۔

میرے جسم کی نقاہت کے باوجود میں نے اپنی بکھری ہوئی قوت کو جمع کر کے آنکھیں کھول دیں۔ میرے سامنے مادھون اور روزی کے علاوہ تین اجنبی چہرے تھے۔ میں آہستہ آہستہ اٹھ بیٹھا۔ میرا پورا جسم شدید قسم کی نقاہت کا شکار تھا اور میں بہت کمزوری محسوس کر رہا تھا۔

''پپ۔۔پانی۔''

''پانی نہیں ہے، سمندر کا پی لے۔'' مادھون کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں نے نیم وا نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اچانک ایک آدمی نے میرے ہاتھوں اور پیروں کی مالش شروع کر دی۔ کافی دیر تک مالش کرنے کے بعد میری نقاہت دور ہوئی اور میں اٹھ بیٹھا۔ پیاس اور کمزوری کے سبب میری حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔'' جس نے شخص نے میری مالش کی تھی وہ میرے قریب آ کر بولا۔

میں نے اس کو فوراً ہی پہچان لیا تھا۔ یہ آدمی جہاز کے عملے کا تھا۔ اسکے علاوہ مادھون اور روزی کے علاوہ تین اور لوگ بھی تھے جن کو میں نے نہیں پہچانا تھا۔ سب کے چہروں پر بدحواسی طاری تھی ماسوائے مادھون کے۔ اس کے چہرے پر میں نے لاپروائی دیکھی تھی۔ جیسے یہ صورت حال اس کے لئے کوئی خاص اہمیت ہی نہ رکھتی ہو۔ سب ایک دوسرے کو بے چارگی سے دیکھ رہے تھے۔ ہماری بوٹ سمندر میں بے یار و مددگار چلی جا رہی تھی۔ سب کے چہروں پر مایوسی کے آثار تھے سب کے چہرے بھوک اور پیاس سے اتر چکے تھے۔ ہماری بوٹ کو سمندر میں پانچ روز ہو چکے تھے۔ بوٹ بے یار و مددگار سمندر کی لہروں پر آنکھ مچولی کھیلتی رہی تھی۔ اس دوران ہماری حالت بہت ناگفتہ ہو چکی تھی۔ اب ایک دوسرے سے بات کرنے کا بھی

دل نہیں چاہتا تھا۔ بھوک پیاس سے حالت بری تھی۔ پانی کے نام پر سمندر کا میسر تھا جس کو پینے سے پیٹ میں درد ہو چکا تھا۔ جلد کی رنگت دھوپ اور رات کی خنکی کے سبب بدل گئی تھی۔ لباسوں میں ایک عجیب سی بو بس گئی تھی۔ روزی کا لباس بھی کافی حد تک تار تار ہو چکا تھا لیکن نہ تو اس کو اپنی برہنگی کا خیال تھا نہ دوسروں کے لئے اس کی برہنگی دلچسپی کا سبب تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم سب اپنی زندگیوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ آسمان سر پر تھا۔ تا حد نگاہ سمندر خرمستیاں کرتا نظر آتا تھا۔ ہم ہر وقت اسی آس میں سمندر پر نگاہ جماتے کہ کوئی جہاز نظر آجائے مگر دور دور تک جہاز کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ زندگی کی امید بھی ہم سے دور ہو چکی تھی۔ سب ایک کونے میں پڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہی رہتے تھے۔

''اس طرح تو یہ سمندر ہی ہماری قبر بن جائے گا۔'' روزی نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''تو ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ سوائے موت کے انتظار کے۔ نہ کھانا ہے اور نہ پانی۔ کب تک ہم کھارا پانی پی پی کر گزاریں گے۔'' ایک آدمی نے کہا۔

''کچھ بھی نہیں ہوگا۔ موت اور جندگی بھگوان کے ہاتھ میں ہے۔'' مادھون نے لاپروائی سے کہا۔

پوری بوٹ میں ایک مادھون ہی ایسا تھا کہ جس کا چہرہ تروتازہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے موجودہ صورت حال سے وہ لطف اندوز ہو رہا ہو۔

چوتھے روز بوٹ میں ایک مسافر تڑپنے لگا۔ تھوڑی دیر تک تڑپنے کے بعد وہ مر گیا۔ بوٹ میں یہ پہلی موت تھی۔ اب ہم پانچ لوگ رہ گئے تھے موت کا انتظار کرنے کے لئے۔ اب آہستہ آہستہ ہم سب موت کا شکار ہو جائیں گے۔ خزانے کی تلاش تو دور، میری لاش بھی کوئی

تلاش نہ کر سکے گا۔ میں اس لاش کو سمندر میں گرانے لگا تھا کہ وہی شخص جو جہاز کے عملے کا تھا مجھے دیکھ کر بولا۔

''رک جاؤ مسٹر امجد، یہ بے وقوفی مت کرو۔''

''کیا مطلب۔''

''یہ لاش ہم سب کی زندگیوں کو بچانے کا سبب بن سکتی ہے۔'' وہ بولا۔ اس کی بات سن کر ہم سب اس کو چونک کر دیکھنے لگے تھے جبکہ مادھون کے غلیظ ہونٹوں پر پراسراری مسکان تھی۔

''کیا مطلب۔۔ ہم آدم خور بن جائیں۔'' روزی نے جواب دیا۔

''اسکے علاوہ کوئی اور راستہ ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ''میں اپنی زندگی کو یوں موت کے حوالے نہیں کر سکتا۔''

اتنا کہہ کر اس نے خنجر نکالا اور لاش پر ٹوٹ پڑا۔ اس کی دیکھا دیکھی روزی سمیت دوسرے لوگ بھی اس لاش پر ٹوٹ پڑے پھر میں کیوں پیچھے رہتا، لیکن مادھون نے یہ حرکت نہیں کی تھی۔ ہم جانوروں اور درندوں کی طرح انسانی لاش کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ ہماری انسانیت ہماری پیٹ کی بھوک نے چھین لی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر مادھون ہنس پڑا اور بولا۔

''واہ رے بھگوان تیری کیا لیلا ہے۔۔کل بھی منش پیٹ کے لئے درندہ تھا اور آج بھی درندہ ہے۔''

ہم لوگ خون میں بھر چکے تھے۔ آدھے گھنٹے کے اندر ہم نے لاش کو چیر پھاڑ کر کھالیا تھا۔ کچا گوشت کھانے کا تجربہ میرے لئے عجیب تھا لیکن پیٹ کی آگ کے لئے ہم انسان سے درندے بن گئے تھے۔ اس غریب کی لاش کوئی تین دن تک ہماری پیٹ کی آگ بجھاتی رہی۔ اس کے بعد اس کی ہڈیاں ہم نے سمندر میں پھینک دی تھیں۔ ایک دن کے بعد ہم سب ایک

دوسرے کو بدلی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ ہمدردی اور محبت نا جانے کہاں چلی گئی تھی۔آج اتنے سال گزر جانے کے بعد یہ سب مجھے یاد آتا ہے تو دل ہول جاتا ہے لیکن اس وقت مجبوری تھی۔زندگی برقرار رکھنے کے لئے انسان بڑے سے بڑا گناہ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔پھر یہ گوشت کیا چیز تھا۔

اب بوٹ میں دس روز گزر چکے تھے۔ایک روز ایک اور آدمی مر گیا۔اس کو شاید انسانی گوشت ہضم نہیں ہوا تھا۔وہ آدمی بھی ہماری خوراک بن گیا تھا۔بہت دن گزر گئے تھے۔اس لائف بوٹ میں اب ہم صرف تین لوگ رہ گئے تھے۔میں روزی اور مادھون۔باقی لوگ مر کر ہماری غذا بن چکے تھے۔ہم اب تینوں ایک دوسرے کی موت کا انتظار کر رہے تھے۔مادھون کے انداز میں وہی لاپروائی تھی۔روزی کی حالت بہت زیادہ خراب تھی۔میری حالت بھی کچھ کم خراب نہ تھی۔مادھون اسی طرح تھا جس طرح پہلے تھا پھر ایک روز ہمیں ایک جزیرہ نظر آیا۔

جزیرے کی ایک چٹان دور سے ہم کو زندگی کی نوید دے رہی تھی پھر پانی کی ایک بڑی سی لہر نے ہم کو جزیرے پر لا پھینکا۔ہم تینوں حیرت وخوشی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔مادھون کا چہرہ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ پرسکون تھا۔ہم بوٹ سے اتر کر بھاگتے ہوئے اس چٹان کی طرف جا پہنچے۔چٹان کا ایک حصہ پانی میں تھا اور ایک حصہ خشکی میں تھا۔

اچانک چٹان کو دیکھ کر مادھون خوشی سے ناچنے لگا تھا۔

”دیکھ میں وجے ہوا میری کٹھنائیاں دور ہو گئیں۔“

میری اور روزی کی سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیوں ناچ رہا ہے۔

”ابے۔۔کیا پاگل ہوا ہے۔“

”ہاں۔۔میں پاگل ہو گیا ہوں۔۔دیکھ اپنے دیدے پھاڑ کر، اس چٹان کا رنگ نیلا

ہے۔ یہ وہی جزیرہ ہے جس کی مجھے تلاش تھی دیوی کا آدیش اوش سچ ثابت ہوا۔ دیوی نے کہا تھا۔"

واقعی میں نے اب غور سے دیکھا تو چٹان کا رنگ نیلا تھا۔ گہرا نیلا تھا۔ نہ اس پر کائی جمی نہ تھی نہ کچھ بالکل ہی صاف ستھری چمکدار جیسے سونا ہو۔

"دیوی کی کرپا سے ہمری منزل مل گئی۔ دیوی نے جو کہا تھا سچ ہوا۔ دیوی نے کہا تھا کہ جہاز پر طوفان آئے گا۔ تیری شکتی تجھ سے چھن جائے گی۔ اب میری شکتی اور منزل دونوں مل گئیں مجھے۔"

"یہ سب کیا ہے؟" روزی نے حیرت سے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں دراصل ہم لوگ ایک بہت بڑے اور قیمتی خزانے کی تلاش میں آئے ہیں۔ مادھون کے مطابق خزانہ اسی جزیرے میں کہیں موجود ہے۔"

"خزانہ۔۔" روزی کے منہ سے حیرت سے نکلا۔

"ہاں ایک بہت بڑا اور قیمتی خزانہ۔"

خزانے کا سن کر میں نے روزی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دوڑتے ہوئے دیکھی لیکن روزی نے کچھ کہا نہیں۔

"بہت بھوک لگی ہے۔ اس جزیرے میں کچھ کھانے کو بھی ہوگا۔" روزی نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"چلو دیکھتے ہیں۔"

"نن۔۔نہی۔ میں آگے نہیں جاؤں گی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ میرا سر چکرا رہا ہے۔" روزی نے کراہتے ہوئے کہا۔

میں نے روزی کو غور سے دیکھا تو واقعی اس کی حالت بہت زیادہ ناگفتہ تھی۔ ہمارے کپڑے بہت زیادہ خراب اور بدبودار ہو چکے تھے اور روزی کے کپڑے اس کی ستر پوشی کے لئے بھی ناکافی تھے۔ ایک مادھون ہی ایسا تھا جو کہ واقعی تروتازہ لگ رہا تھا۔ ایسا کیوں تھا یہ میری سمجھ سے باہر تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ ہنس پڑا اور بولا۔

''ایسے مت دیکھ، چل، کچھ کھانے کو لاتے ہیں۔ تیری اس نئی اردھاگنی کے لئے۔''

''تم ادھر ہی بیٹھو، اسی چٹان کے سہارے ہم کچھ کھانے کو لاتے ہیں۔'' میں نے روزی کو کہا۔

''نن۔۔نہیں مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ۔'' روزی نے سہم کر جواب دیا۔

ابھی میں اس کو جواب ہی دینا چاہتا تھا کہ میں نے مادھون کو ساحل کی سمت دوڑتے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا پھر اس کے دوڑنے کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ ساحل پر بہت سے ناریل موجود تھے جو نا جانے کہاں سے تیرتے ہوئے ساحل پر آ گئے تھے۔ مادھون وہ ناریل جا کر فوراً ہی اٹھا لایا۔ ناریل تعداد میں چار تھے۔ ناریل دیکھ کر ہم دونوں کی بھوک بڑھ گئی۔ ایک بات حیران کن تھی جب سے مادھون سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے نہ تو اس کو کھاتے دیکھا تھا اور نہ ہی پیتے ہوئے دیکھا تھا۔

مادھون نے ناریل ہم دونوں کو پکڑا دیئے۔ ہم نے فوراً ہی ناریل توڑا۔ اس کا گودا کھایا اور پانی پیا۔ بہت دنوں کے بعد انسانی گوشت کے علاوہ کوئی چیز پیٹ میں گئی تھی اس لئے ناریل کا مزا ہی دوبالا ہو گیا تھا۔ ناریل کا گودا کھانے اور پانی پینے کے بعد ہم دونوں کی جان میں جان آئی تھی۔ مادھون ساحل پر پڑے اور ناریل اٹھانے چلا گیا۔

''تمہارا یہ ساتھی مجھے کچھ عجیب لگتا ہے۔ نہ کچھ کھاتا ہے اور نہ ہی پیتا ہے۔''

"وہ ایسا ہی ہے۔ گندا اور بدبودار۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ خزانہ کا کیا چکر ہے واقعی کوئی خزانہ ہے یا پھر وقت کا ضیاع۔"

"مجھے نہیں معلوم، صرف مادھون ہی جانتا ہے۔"

میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ مادھون آتا دکھائی دیا۔

"تھوڑی پیٹ پوجا ہوگئی ہو تو ہم جزیرے کے اندر چلیں۔" آتے ہی مادھون نے کہا۔

پیٹ بھر چکا تھا چنانچہ انکار کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ چنانچہ ہم لوگ جزیرے کے اندر داخل ہو گئے۔ جزیرے کی زمین کا رنگ نیلا تھا اور تو اور گھانس پھونس چھوٹی چھوٹی چٹانیں اور ٹیلے بھی رنگ برنگی تھے۔ نا جانے کیسا جزیرہ تھا۔ ہم تینوں آگے بڑھتے جا رہے تھے تھوڑی ہی دیر کے بعد مادھون بولا۔

"ایک ایسی چٹان تلاش کرنی ہے جس کی شکل کسی عورت جیسی ہو۔ وہی چٹان ہمیں تاریک وادی میں لے کر جائے گی۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ شام کا وقت تھا ہم تینوں چلتے چلتے ایک دریا کے پاس پہنچ گئے تھے۔ دریا کو دیکھ کر ہم دونوں ہی حیران رہ گئے کیونکہ اس کا پانی صندلی تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی نے صندل کا شربت پانی میں گھول دیا ہو۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ اتنی عجیب وغریب چیزیں دیکھنے کے بعد مادھون کے چہرے پر کوئی خاص اثر نہ تھا بلکہ اس کا ردعمل ایسا ہوتا کہ جیسے کہ سب کچھ اس کی توقع کے عین مطابق ہوا ہو۔ روزی نے آگے بڑھ کر صندل کے پانی کو ہاتھ میں لیا تو پوری فضا ایک عجیب سی خوشبو سے معطر ہو گئی۔ ایسی خوشبو جو کبھی دیکھی نہ سنی۔ اچانک ہمیں دریا کی سطح گولڈن نظر آئی۔ یوں لگتا تھا کہ تہہ میں بہت سا سونا برادہ کی شکل میں جمع ہو۔ سونا دیکھ کر روزی بے تابی سے اس کی سمت بڑھی تھی لیکن مادھون نے اس کو کندھے سے پکڑ لیا تھا۔

”نہیں۔ یہاں کی ہر چیز چھل (دھوکہ) ہے۔ نقصان اُٹھاؤ گی۔“

چنانچہ وہ رک گئی اور ہم تینوں پھر آگے بڑھنے لگے۔ جیسے ہی ہم آگے بڑھے اندھیرا ہونے لگا۔ چلتے چلتے اب وحشت ہونے لگی تھی۔ اب درختوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو چکا تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ آگے کوئی گھنا جنگل ہے جنگل میں ایسے خانماں برباد افراد کی شب بسری کا تصور ہولناک تھا۔ رات ہونے ہی والی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد پورے جزیرے پر گھپ اندھیرا چھا گیا۔ پھر ڈر اور خوف کی ایک نئی فضا شروع ہو گئی۔ چلتے چلتے ہم لوگوں کو ایک اونچائی نظر آئی جو کہ پہاڑی ٹیلے کی تھی۔ نیلے رنگ کی چڑھائی دیکھ میرا دل عجیب سا ہو گیا۔ جیسے ہی ہم تینوں چڑھائی چڑھ کر اوپر پہنچے سامنے ایک گھنا جنگل تھا۔ سیاہ اور اندھیرا اس جنگل کے پیڑ بھی نیلے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم اس گھنے جنگل میں داخل ہو چکے تھے۔

”مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔“ روزی کراہی اور دوسرے پل زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کی ٹوٹتی ہمت دیکھ کر میری رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی۔

”تھوڑا آرام کر لیتے ہیں پھر چلیں گے۔“

میری بات سن کر مادھون نے نہایت غصے بھری نظروں سے میری سمت دیکھا تھا۔ ابھی وہ کچھ کہنا چاہتا تھا ایک تیر زن کی آواز کے ساتھ میرے پیروں کے قریب زمین پر آ لگا۔ پھر ہم تینوں ٹھٹک کر رک گئے۔ روزی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ پھر ڈھول تاشوں کی آوازوں نے ہمارے قدم جکڑ لئے۔ ڈھول تاشوں کی آوازیں ہمارے قریب آتی جا رہی تھیں۔ سامنے والے درختوں سے کھلبلی ہوئی اور پھر چند لمحوں کے ہمارے سامنے جو کچھ آیا، اس کو دیکھ کر ہمارا خون ہمارے شریانیوں میں منجمد ہو گیا اور ہماری ساری تھکن ہوا ہو گئی۔

☆......☆......☆

وہ ہماری موت کے پیامبر تھے جو کہ سیاہ فام ننگ دھڑنگ جنگلیوں کے روپ میں ہمارے سامنے موجود تھے اور ہمیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ وہ تعداد میں سات تھے۔ ان کے جسم پر کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے وہ جسموں کو چھپا سکیں۔ سیاہ رنگ کے جسموں پر کھریا مٹی نقوش بنے ہوئے تھے اور ستر پوشی چھپانے کے لئے اپنے جسموں کو نیلے رنگ کے پتوں سے ڈھک کر رکھا تھا۔ ان کے گلے اور نتھنوں میں ہاتھی دانت کے بڑے بڑے بالے نظر آ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بڑی بڑی مشعلیں تھیں جو کہ روشنی کا کام دے رہی تھیں۔ جنگلیوں کی نظروں کا محور روزی کی ذات تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ روزی کو ہوس بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جبکہ مادھون اس صورت حال سے قطعی خائف نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے برعکس اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ روزی یہ سب منظر دیکھ کر تھر تھر کانپ رہی تھی جبکہ میری کیفیت بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔

اچانک ایک جنگلی آگے بڑھا اور اس نے روزی کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا۔ میں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی ہی تھی کہ مادھون نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ جنگلی نے مجھے زوردار دھکا دیا اور میں زمین پر جا گرا۔ روزی چلاتی رہ گئی اور وہ اس کو لے کر جنگل میں گم ہو چکا تھا۔ مادھون کے لبوں پر وہی پرسکون مگر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ میں سناٹے میں گم روزی کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں کڑھنے کے باوجود کچھ بھی نہ کر سکا کیونکہ اس وقت مجھے اپنی جان زیادہ پیاری تھی۔ ان جنگلیوں نے ہم دونوں کو نیزوں کی مدد سے ٹھوکے دینے شروع کر دیے تا کہ ہم آگے بڑھنا شروع کر دیں۔ مادھون کا پرسکون چہرہ اور اطمینان میرے لئے باعث تعجب تھا۔ یہ بالکل ویسے ہی تھا جیسے سب اس کی منشا کے عین مطابق ہو رہا ہو۔ ہم دونوں نے آگے چلنا شروع کر دیا۔ وہ جنگلی ہمارے پیچھے پیچھے تھے۔ رات کے اس اندھیرے میں وہ جنگلی ہمارے لئے

موت بن کر نازل ہوئے تھے۔ ہم آہستہ سے چلتے ہوئے اس نیلے جنگل میں داخل ہو گئے۔ جنگلی ہمارے پیچھے پیچھے تھے۔ان کے ہاتھوں میں روشن مشعلیں زیادہ اندھیرا تو دور نہیں کر پائی تھیں مگر اتنا ضرور ہو گیا تھا کہ اندھیرے میں چلتے ہوئے ہمیں پریشانی نہیں ہو رہی تھی۔

چلتے چلتے ہمیں کافی دیر گزر چکی تھی۔اب تو ٹانگوں میں بھی درد ہو چلا تھا۔میں تو اس منحوس وقت کو کوس رہا تھا جب میری ملاقات اس مادھون سے ہوئی تھی۔ ہمارے کانوں میں مختلف درندوں اور حشرات الارض کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان جنگلیوں کی موجودگی میں وہ درندے ہمارے قریب آنے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔جنگل سے گزر کر ہم ایک میدانی علاقے میں داخل ہو گئے۔ یہ میدان بھی نیلے رنگ کا تھا گویا یہاں کی ساری زمین ہی نیلی رنگ کی تھی۔ میدان کو عبور کرنے کے بعد وہ جنگلی ہمیں ایک ایسی جگہ لے کر جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دس بارہ جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ان جنگلیوں نے ہمیں ان میں سے ایک جھونپڑی میں لے جا کر قید کر دیا۔ وہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی جو کہ اس کی دیواریں بانس اور سرکنڈوں کی بنی ہوئی تھیں۔اس کی دیوار پر روشنی کے لئے ایک مشعل روشن تھی جبکہ فرش پر گھاس بچھی ہوئی تھی۔ ہمیں اس جھونپڑی میں بند کر دینے کے بعد انہوں نے اشاروں میں تاکید کی کہ باہر نہ نکلیں۔ان کے جانے کے بعد میں نے مادھون کو غصہ بھری نظروں سے دیکھا۔

”تمہاری قوتیں کس کام کی۔ جو ہم ان جنگلیوں سے بھی نہیں بچ سکے۔“

میری بات سن کر وہ مسکرایا اور بولا۔

”دھیرج بالک۔ اگر چاہتا تو اسی وقت ہی ان جنگلیوں کو نرک میں پہنچاتا مگر دیوی کی آگیا کے انوسار خاموش ہوں اور یہ جنگلی ہم کو ہمری منزل تک لے جائیں گے۔“

"کیسی منزل۔۔۔میں تنگ آچکا ہوں۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"دو چہروں والا مندر اسی جزیرے پر ہے۔۔اس کے بعد تیری ساری تھکن دور ہو جائے گی۔"

اس کی بات پر میں جھلا گیا۔میں کہنے والا تھا کہ مجھے خزانہ نہیں چاہیے اسی لمحے دروازہ کھلا اور سیاہ فام جنگلی اندر داخل ہوا۔اس جنگلی کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جو کہ لکڑی کی تھی اس نے وہ ٹرے میرے سامنے لا کر رکھ دی۔اس ٹرے میں تین پیالے تھے جو کہ لکڑی کے تھے۔ ٹرے میں سفید چاول اور چاولوں کے اوپر ایک بھنی ہوئی مچھلی کا پیس رکھا تھا جبکہ ایک پیالے میں شہد، دوسرے میں کچھ کٹے ہوئے پھل رکھے تھے۔

وہ پیالے ہمارے پاس رکھ کر چلا گیا۔کھانا دیکھ کر میرا سارا غصہ دور ہو گیا۔واقعی کھانا ایک بڑی نعمت ہے۔

"آجا کھالے۔" میں نے کھانے کی طرف بڑھتے ہوئے مادھون سے کہا۔

میری بات سن کر وہ مسکرایا اور بولا۔"تو کھالے۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔چاول بدمزا اور پھیکے تھے لیکن مچھلی ذائقہ دار تھی۔کھانے کے دوران میں نے اس سے پوچھا۔

"تم کھاتے کیوں نہیں ہو۔"

میری بات سن کر وہ گڑبڑا گیا پھر دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھال کر بولا۔

"دیوی کی آگیا کے انوسار ہی میں کھانا پینا بند کیا ہوا ہے۔"

اس کی بات سن کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ مجھ سے کچھ چھپا رہا ہے۔اتنے دنوں اس کے ساتھ رہ کر مجھے اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ جو نظر آتا ہے وہ اس سے مختلف ہے۔وہ کیا ہے اس کی شخصیت کے کیا اسرار ہیں، آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے۔نا جانے روزی کس حال میں

ہوگی۔ زندہ بھی ہوگی کہ نہیں یا ان ظالموں نے اس کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا ہو اور اب نا جانے میرے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ کھا پی کر جیسے مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی تو میں پیر پسار کر لیٹ گیا۔ میں نے دیکھا مادھون دیوار کے ساتھ منہ کر کے لیٹ گیا تھا۔

کچھ ہی لمحوں کے میں نے قدموں کی آہٹ کی آواز سنی۔ قدموں کی آہٹ جھونپڑی کے دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ دروازہ کھلا کوئی اندر آیا۔ میں نے اپنی آنکھیں اس طرح بند رکھیں کہ جیسے انہیں میرے جاگنے کا بھی گمان نہ ہو۔ اندر آنے والے دو سیاہ فام حبشی تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے کندھے پر کسی کو ڈال رکھا تھا۔ اس حبشی نے بڑے ہی خوف زدہ انداز میں اس بوجھ کو نیچے اتار کر اطمینان سے گھاس پر لٹا دیا تھا پھر جیسے آئے تھے ویسے ہی پلٹ گئے۔ میں اُٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک دو سیاہ فام حبشی عورتیں اندر آتے دیکھیں۔ پھر وہ اس بے ہوش وجود پر جھک گئیں۔ نا جانے وہ اس کے ساتھ کیا کر رہی تھیں۔ پوری بات جاننے کے لئے میں نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ بیٹھا اور آہستہ سے چلتا ہوا سکے نزدیک پہنچا تو یہ دیکھ کر چونک گیا کہ وہ بے ہوش وجود کسی اور کا نہیں روزی کا تھا۔ روزی کو دیکھ میری آنکھیں حیرت وخوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مادھون بھی اٹھ چکا تھا۔ روزی کے جسم کو دیکھ کر مادھون کے ہونٹ بھی سیٹی انداز میں سکڑ گئے۔ میں خوف سے روزی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا پورا جسم نیم برہنہ تھا۔ صرف ستر والی جگہوں پر جانور کی کھال لپٹی ہوئی تھی۔ جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر سرخ رنگ کے چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگ رہے تھے۔ وہ بالکل ایسے تھے جیسے کہ بیر بہوٹی کے کیڑے ہوں۔ وہ کیڑے چہرے کو چھوڑ کر پورے جسم پر رینگ رہے تھے۔ میری آنکھوں میں دہشت طاری ہوگئی۔ ایسا خوفناک منظر میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ میں نے بے چینی کے عالم میں ہاتھ بڑھا کر اس کے جسم سے ان کیڑوں کو ہٹانا چاہا مگر ان حبشی عورتوں

نے میرا ہاتھ بری طرح سے جھٹک دیا۔ میں نے بڑے ہی غور سے ان کی طرف دیکھا۔ کوئی مبالغہ نہیں وہ اپنے قبیلے کی سب سے خوبصورت عورتیں تصور کی جاتی ہوں گی۔ ان کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر ان گنت نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ ان کے رخساروں پر بھی پھول کندہ تھے۔ تحریر کی تہذیب مانع ہے ورنہ ان کی عریانی کی تفصیل بھی کم چونکا دینے والی نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے تجسس اور تشویش سے دیکھا اور پھر میری طرف اشارہ کر کے مسکرا دیں۔

ان کی عریانی پر میری حالت کچھ اس طرح تھی کہ میں ان سے ہی نظریں چرا رہا تھا۔ وہ میری طرف چند لمحوں تک دیکھتی رہیں اور پھر چلی گئیں۔ میں نے سوچا کہ خود سے کوئی کاری گری کرنے کے بجائے مادھون کو اٹھانا چاہیے تاکہ وہی بتا سکے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ میں آہستہ سے چلتا ہوا مادھون کے پاس پہنچا۔ میں نے مادھون کو آوازیں دیں لیکن وہ اٹھا ہی نہیں۔ وہ بائیں کروٹ لیٹا ہوا تھا۔ میں نے اس کو ہاتھ لگایا تو چونک گیا۔ ڈر کے مارے میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ اس کا جسم برف کی طرح ٹھنڈا اور یخ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ میں نے کسی مرے ہوئے انسان کو چھو لیا ہو۔

میں نے اس کو سیدھا کیا تو دوسرے ہی لمحے میں ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ مشعل کی روشنی میں اس کا چہرا انتہائی خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ اس کے چہرے کا گوشت جگہ جگہ سے جل گیا ہو۔ بھنویں بھی جلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں پھر میری نظر اس کے ہاتھوں پر گئی۔ اس کے ہاتھ مجھے جلے ہوئے نظر آئے۔ میں ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اسی پل میری نظر روزی پر گئی۔ روزی میری جانب کروٹ کیے لیٹی ہے۔ اس کی آنکھیں لال سرخ ہو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ دو چھوٹے چھوٹے بلب آنکھوں کے گڑھوں میں روشن ہوں۔ دونوں جانب خوفناک منظر تھا۔ میں نے دونوں آنکھیں بند کر لیں۔ ساتھ ہی میرے حلق سے خوفناک چیخ نکل گئی۔

”کاہے چیخ رہا ہے۔۔“میرے کانوں سے مادھون کی آواز ٹکرائی۔

اب میں نے دیکھا تو مادھون کا چہرا بالکل ٹھیک تھا۔زندگی سے بھرپور۔نہ ہی جلا ہوا اور نہ ہی سفید۔میں حیرت اور خوف سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔اچانک میری نظر روزی کے چہرے پر پڑی۔اب اس کی آنکھیں نارمل تھیں۔کیڑے بدستور ویسے ہی رینگ رہے تھے۔تو پھر کیا میری آنکھوں کو دھوکا ہوا تھا۔

”تت۔۔تو مر گیا تھا۔“میں خوف سے ہکلایا۔میری بات سن کر وہ ہنس پڑا۔

”ابے تو پاگل ہو گیا ہے کیا۔“

اس کی بات سن کر واقعی میں سوچ میں پڑ گیا۔کہیں میں پاگل تو نہیں ہو گیا۔

”میں نے خود تجھے مرا ہوا دیکھا تھا۔۔۔تیرا جسم جلا ہوا تھا۔“

جلنے کی بات سن کر میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔بس یہ صرف ایک لمحے کے لئے تھا دوسرے ہی پل اس کا چہرہ معمول پر آ گیا۔

”نہیں تجھے غلط فہمی ہوئی ہو گی۔“☆

اچانک میں نے اس کو چونکتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ تیزی سے روزی کے پاس جا پہنچا۔روزی کے جسم پر کلبلاتے ہوئے کیڑوں کو دیکھ کر وہ چونک گیا۔پھر وہ گہری نظروں سے اس کے جسم پر کلبلاتے ہوئے کیڑوں کا مشاہدہ کرنے لگا۔

”کیا دیکھ رہا ہے۔“میں نے وحشت سے کہا۔

”یہ کیڑے نقصان دہ نہیں ہیں اس لڑکی کے لئے۔۔بہت ہی خاص اور غیر معمولی۔۔“وہ بولا۔

”میں ان کو ہٹا دوں۔“

”نہیں۔۔ایسی کوئی غلطی نہ کر جو تیرے لئے ہانی کارک ہو۔“اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا مطلب۔“

”بس دیکھتا جا۔۔کوئی چنتا مت کر۔“

کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اچانک میں نے دیکھا کہ جھونپڑی کا دروازہ کھلا۔ایک سیاہ فام حبشی اندر داخل ہوا۔وہ حبشی ان دوسروں سے ممتاز معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ پوری طرح سے ننگ دھڑنگ نہیں تھا۔اس کا جسم کسی جانور کی کھال سے لپٹا ہوا تھا۔اور گلے میں سفید رنگ کی مالا موجود تھی جو کہ کھوپڑیوں کی تھی۔اس حبشی کی آنکھیں سرخ تھیں۔یوں لگتا تھا جیسے ان میں خون اتر آیا ہو۔اس حبشی کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا بھی تھا۔وہ چند لمحوں تک ہماری جانب بڑے غور سے دیکھتا رہا،اس کے بعد وہ سنجیدگی سے بولا۔

”زمبو۔۔گوشالی۔۔مگوشال۔“

اس کی زبان تو میرے پلے ہی نہیں پڑی تھی لیکن مادھون اس کی بات سن کر چونک پڑا اور بولا۔”ریپتا۔۔موگوش۔“

مادھون کو ان کی زبان بولتا دیکھ کر میں حیرت سے ان کا منہ تکنے لگا۔مجھے پتہ نہیں تھا کہ مادھون بھی ان کی زبان بولتا ہے۔مادھون کو ان کی زبان میں بولتا دیکھ کر اس اجنبی کی منحوس آنکھوں سے حیرت ظاہر ہونے لگی۔

”ابے۔کیا بول رہا ہے۔“

”یہ کہہ رہا ہے کہ اس لڑکی کو دیوتا نے پسند کر لیا ہے۔۔اور اب وہ دیوتا کی بیوی بنے گی۔“

اس کی بات سن کر میں چونک گیا۔میرے چہرے پر وحشت ناچنے لگی۔

”کیا بک رہا ہے۔۔دیوتا کی بیوی۔ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“

”لیکن میں نے تو ہاں کہہ دیا ہے۔“مادھون نے کہا۔

مادھون کے جواب پر مجھے اور غصہ آ گیا۔

"بکواس بند کر۔ میں تیرے ساتھ خزانہ کی تلاش میں نہیں آؤنگا۔ بھاڑ میں گیا دیوتا مجھے روزی چاہیے۔"

میرے جواب پر وہ چونک گیا اور مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے میں نے کوئی غلطی کر دی ہو، دوسرے ہی پل وہ مجھے یوں دیکھنے لگا کہ جیسے میری بات اس کو سمجھ آ گئی۔ اسی لمحے اس کی آنکھوں میں شیطانی قوتوں کا رقص تیز ہو گیا۔ ابھی میں مادھون سے کچھ کہتا کہ وہ حبشی میری طرف بڑھا۔ اور چند لمحے تک مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ڈنڈے سے میرے سر پر بھرپور ضرب لگائی۔ ڈنڈے کی ضرب کھاتے ہی میری آنکھوں کے گرد تارے ناچ گئے۔ دوسرا وار مجھے زمین پر لے آیا تھا اور میرے ماتھے سے خون بہنے لگا تھا۔ بے ہوش ہونے سے قبل میں نے صرف اتنا دیکھا کہ جھونپڑی کا دروازہ کھلا ہے۔ چار پانچ حبشی بھالے لے کر اندر داخل ہوئے ہیں اور انہوں نے مادھون کو گھیر لیا ہے اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

ناجانے مجھے کب ہوش آیا۔ ہوش میں آتے ہی میں نے اپنے اردگرد گھپ اندھیرے کو پایا تھا۔ ساتھ ہی ٹھنڈ کا احساس بھی مجھے محسوس ہو رہا تھا۔ ٹھنڈ کا احساس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں کسی برف کے بلاک پر لیٹا ہوں۔ مجھے اپنے نچلے حصے میں شدید ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے حرکت کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ یوں لگتا تھا کہ میرا پورا جسم مفلوج ہو گیا ہو۔

"مادھون۔۔۔۔۔۔ مادھون۔۔۔" میں نے کراہ کر اس کو پکارا۔

"کاہے۔" مادھون کی آواز آئی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کہ اس کی آواز بہت دور کسی کنویں

سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''کہاں رہے۔تو۔'' اس کی آواز پھر میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''معلوم نہیں، ہر طرف اندھیرا ہے۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''سب تیری غلطی ہے۔تو نے ان کے دیوتا کو گالی دی۔وہ وچ ڈاکٹر تھا۔اس نے ہمیں ایسی جگہ بند کر دیا ہے جہاں ہر طرف اندھیرا ہے۔اب وہ ہماری بلی دیں گے دیوتا کے سامنے۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔'' میں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

مادھون جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ ایک خوفناک آواز نے ہمیں اچھلنے پر مجبور کر دیا۔وہ آواز ایسی تھی کہ جیسے کسی نے کرتال پر چوٹ ماری ہو۔آواز ایسی تھی کہ میرے کانوں کے پردے پھٹ گئے ہوں۔آواز کا ارتعاش دیر تک بدن پر پھریری دوڑاتا رہا۔

''مادھون۔۔۔کک۔۔۔یہ کیسی آواز ہے؟''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔اچانک مجھے ایک عجیب وغریب زبان میں کچھ پڑھنے کی آواز سنائی دی۔وہ آواز مادھون کی تھی شاید وہ اپنی پراسرار قوتوں کا استعمال کر رہا تھا۔اچانک میں نے اندھیرے میں روشنی کا ایک چھوٹا سا نقطہ نمودار ہوتے دیکھا۔نقطے کا حجم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔اب اس نقطے کا قطر ایک سکے جتنا ہو چکا تھا۔اس سے اتنی روشنی پھوٹ رہی تھی کہ مجھے سب کچھ صاف دکھائی دینے لگا تھا۔

وہ ایک پتھریلا غار تھا جس کے سارے پتھر سیاہ رنگ کے، موٹے اور گول تھے۔غار کی فضا اندر سے نہایت سرد تھی۔اچانک میری نظر غار کی چھت پر پڑی اور خوف سے میرا جسم کانپ اٹھا۔چھت کی دیوار کے ساتھ سرخ رنگ کے بڑے بڑے بچھو چپکے ہوئے تھے۔وہ

دیوار سے یوں لٹک رہے تھے جیسے ابھی نیچے گر پڑیں گے۔

''یہ بہت گھاتک ہیں بچھو۔'' مادھون کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بالکل میرے پیچھے ہے۔

''تت۔۔تو کہاں سے آیا۔۔ابھی تو نہیں تھا۔''

''دیوی کی کرپا ہے کہ اس نے میری آنکھوں کے اندھیارے دور کیے۔'' وہ بولا۔

''یہ سب کیا ہے؟''

''ہم کو یہاں سے نکلنا ہے۔ یہ بچھو بہت جریلے ہیں۔'' اتنا کہہ کر اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

میں نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی مجھے ایسا لگا کہ میرے ہاتھ میں برف کا ٹکڑا آ گیا ہو۔ ہاتھ اس قدر ٹھنڈا اور یخ تھا۔ میں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اس روشنی کے سہارے آگے بڑھنے لگا۔ وہ غار شیطان کے آنت کی طرح لمبی ہی ہوتی جا رہی تھی۔ جیسے جیسے ہم غار میں آگے بڑھتے سردی کا احساس بڑھتا ہی جاتا۔ اچانک میرے ذہن میں روزی کا خیال آیا۔ اس سے مجھے ایک عجیب سی انسیت پیدا ہو گئی تھی۔ نا جانے کیوں میں اپنی نائلہ کو اس میں دیکھتا تھا۔

''کیا روزی اب کبھی واپس نہیں آئے گی؟'' میں نے گلوگیر لہجے میں مادھون سے پوچھا۔

''بھول جا، انہوں نے اس کو اپنے دیوتا کے لئے چن لیا ہے۔''

اس پر میں اس کو چونک کر دیکھنے لگا۔

''کیا وہ واپس نہیں آ سکتی؟''

میری بات سن کر وہ مسکرایا اور بولا۔

”ابھی تو یہاں سے باہر جانے کی سوچ پھر بعد میں دیکھتے ہیں۔“

اس کی بات مناسب تھی اس لئے میں خاموش رہا۔ہم دونوں روشنی کے ہالے کی مدد سے آگے بڑھتے جارہے تھے۔اچانک ایک تیز قسم کی شوکر کی آواز سن کر ہم دونوں ٹھٹک کر رک گئے۔وہ ایک سیاہ رنگ کی کلغی والا موٹا سانپ جس کا رنگ سرخ تھا،اپنی تیز زبان لپلپاتے ہوئے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ہماری سمت دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں سے جیسے کرنیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔مجھے اس اندھیرے غار میں یوں مرنا منظور نہیں تھا۔مادھون سانپ کی سمت بڑے ہی غور سے دیکھ رہا تھا۔اچانک مادھون نے منہ ہی منہ کچھ پڑھ کر اس سانپ کی سمت پھونکا۔اس کے بعد جیسے میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔آگ کے شعلے تھے جس نے اس سانپ کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔چند ہی لمحوں کے بعد شعلے اپنا کام کرکے بجھے تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”یہ سانپ نہیں کچھ اور ہے۔“میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”تھوری بات درست ہے یہ اس غار کی کوئی دشت آتما ہے۔“

اتنا کہہ کر اس نے اس کی طرف بغور دیکھنا شروع کردیا۔اچانک سانپ نے ایک جست لگائی اور اڑتا ہوا سیدھا میری طرف آیا۔اور میں اس سانپ کے بوجھ سے نیچے گر گیا۔میں نے ہاتھ مار کر سانپ کو نیچے گرادیا۔مادھون آنکھیں بند کیے کچھ پڑھ رہا تھا۔اچانک میں نے ایک نیولے کو نمودار ہوتے دیکھا۔میں نے زندگی میں سانپ اور نیولے کی لڑائی کبھی نہیں دیکھی تھی۔وہ نیولہ شاید مادھون کی قوتوں کی پیداوار تھا۔اس نے آگے بڑھ کر سانپ پر حملہ کردیا اور اس کو بھنبھوڑنا شروع کردیا۔سانپ بھی پھرتیلا تھا۔اس نے جھکائی دے کر اپنی گردن چھڑائی اور نیولے پر اپنی دم سے وار کیا تھا۔دم کھا کر نیولہ بدکا اور پھر ایک دم پیچھے ہٹ

کر اس نے سانپ پر چھلانگ لگائی تھی۔دونوں ہی ایک دوسرے پر بھاری پڑ رہے تھے۔

سانپ اور نیولہ جگہ جگہ سے زخمی ہو چکے تھے۔پھر مادھون نے مجھے اشارہ کیا۔ہم دونوں سانپ اور نیولہ کو لڑتا چھوڑ کر وہاں سے آگے بڑھ گئے۔خوف سے میری حالت پتلی تھی۔ نا جانے کیسی جادونگری تھی۔میں تو اس وقت کو کوس رہا تھا کہ جب میں نے مادھون سے اس کا ساتھ دینے کی ہامی بھری تھی۔چند لمحوں کے سفر کے بعد ہمیں دراڑ سی نظر آئی۔وہ دراڑ اتنی بڑی تھی کہ دو آدمی با آسانی گزر سکتے تھے۔ہم دونوں اس دراڑ میں داخل ہو گئے۔باہر نکلے تو منظر ہی بدل چکا تھا۔اب ہم کسی جنگل کی جگہ ایک پہاڑی سلسلے پر کھڑے تھے۔نیلے رنگ کے فلک بوس پہاڑ چاروں طرف سر اٹھائے کھڑے تھے۔اچانک میری نظر آسمان کی جانب اٹھی۔ زندگی میں پہلی بار میں نے سرخ رنگ کا آسمان دیکھا تھا۔زمین نیلی، آسمان سرخ، عجیب جادو نگری تھی۔

''میرا گیان کہتا ہے کہ ہم لوگ تاریک وادی میں داخل ہو چکے ہیں۔اس وادی میں قدم قدم پر موت ہے بس اب ہمیں اس مندر کو ڈھونڈنا ہے۔''

شام کے سائے رات کے گہرے اندھیرے میں تبدیل ہونے ہی والے تھے۔شدید ترین سردی کا عالم یوں لگتا تھا کہ جیسے کہ ہم کسی برفانی پہاڑ پر کھڑے ہیں۔سردی اس قدر شدید تھی کہ میرے دانت بھی بجنا شروع ہو گئے تھے،لیکن مادھون کو سردی ہی نہیں لگ رہی تھی۔نا جانے کس قسم کا انسان تھا۔انسان تھا بھی یا نہیں۔۔مادھون نے میری خراب حالت دیکھی تو پہلی بار میں نے اس کو تشویش میں مبتلا دیکھا۔

''اس طرح تو تو مر جائے گا۔''

''ہاں۔۔کک۔۔کک۔''میں جملہ ہی مکمل نہ کر سکا اور گر پڑا تھا۔

میری سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔شاید موت مجھ سے زیادہ دور نہ تھی۔میں بالکل ہی نڈھال ہو چکا تھا۔میرا جسم آہستہ آہستہ اکڑ جاتا تھا۔موت کا ہولناک تصور میرے حواسوں میں چھا جاتا رہا تھا۔

اچانک مادھون نے ایک ایسی حرکت کی، اگر وہ حرکت اس نے عام حالت میں کی ہوتی تو میں اس کو اجازت ہی نہ دیتا۔اس کے پاس نا جانے کہاں سے ایک خنجر آگیا تھا۔اس نے اس خنجر سے میری دونوں کلائیاں ہی کاٹ دی تھیں۔کلائیوں کے کٹتے ہی خون بھل بھل کر کے میری کلائی سے بہنے لگا تھا۔خون کے بہتے ہی اس نے فوراً ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔جیسے جیسے وہ کچھ پڑھتا جاتا ویسے ویسے میری سردی دور ہوتی جاتی۔ویسے ویسے میرے اندر حرارت دوڑتی جاتی۔پھر اچانک میرے ماتھے پر روشنی سی چمکی۔وہ روشنی اس کے انگوٹھے سے برآمد ہوئی تھی۔اس روشنی کے برآمد ہوتے ہی مجھے حرارت کا احساس ہوا تھا۔

''اب تجھے سردی نہیں لگے گی۔۔اس پورے سفر میں۔۔''

یہ کہہ کر وہ میرے پاس سے ہٹ گیا۔ہم لوگوں نے پھر سے سفر کا آغاز کر دیا تھا۔رات ہو چکی تھی۔کافی اندھیرا اچھیل چکا تھا۔اچانک چلتے چلتے ہم چونک کر رک گئے۔روشنی کے دو ہالے تھے، جو ہمیں نظر آئے تھے۔ایسا لگتا تھا کہ جلتی ہوئی موم بتی زمین پر پڑی ہو۔جیسے ہم قریب گئے۔ہمیں اندازہ ہوا کہ وہ ایک انسانی ڈھانچہ تھا جو زمین پر پڑا تھا۔اس کی آنکھوں کے گڑھوں میں الاؤ روشن تھے جو جلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ڈھانچے کو دیکھتے ہی خوف سے میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔وہ ڈھانچہ اب حرکت کر رہا تھا۔

ڈھانچے کو دیکھ کر میرے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور میں نے مخالف سمت بھاگنا شروع کر دیا۔مادھون مجھے آوازیں دیتا رہ گیا لیکن میں نے پرواہ نہ کی اور میں بھاگتا ہی چلا

گیا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے میرے پیچھے وہ خونی ڈھانچہ تعاقب کرتا ہوا آ رہا ہے مگر ایسا کچھ نہیں تھا۔ میں بھاگتے بھاگتے نا جانے کہاں نکل آیا تھا۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ مادھون مجھے آوازیں دیتا ہوا میرے پیچھے آ رہا ہے۔ میں کب تک بھاگا مجھے نہیں پتہ۔ اچانک میرے پیر ایک پتھر سے ٹکرائے اور میں اچھل کر منہ کے بل جا گرا۔ میرے پیر میں نہایت ہی شدید چوٹ آئی تھی۔ میں کافی دیر تک تو اسی جگہ ہی پڑا رہا تھا کیونکہ پیر کا درد نا قابل برداشت ہو چکا تھا۔ اچانک مجھے دور سے کسی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ آواز بے حد لرزا اور خوف زدہ کرنے والی تھی۔ دہشت اور خوف کیا ہوتا ہے اس کا اندازہ مجھے اب ہو رہا تھا۔ پھر اچانک ہی فضا کتوں کے رونے کی آوازوں سے گونجنے لگی۔ میں نے گھبرا کر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اُٹھ بیٹھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو میں نے اپنے آپ کو سر بہ فلک پہاڑوں کے بیچ پایا۔ میرے سامنے ایک نہایت ہی خوبصورت اور پر شکوہ قدیم عمارت موجود تھی۔ اتنی پر شکوہ اور قدیم عمارت جو دیکھتے ہی پراسراریت کا احساس پیدا کرتی ہو میں نے صرف فلموں میں ہی دیکھی تھی اب میرے سامنے تھی جو کہ مجھ سے کم از کم آدھے میل کے فاصلے پر تھی۔ مادھون بھی کہیں نظر نہیں آ رہا تھا نا جانے وہ کہاں تھا۔ اب میں کیا کروں میری سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

رات کا گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ فضا میں کہیں کہیں جھینگروں کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی اس قدر اندھیرا ہونے کے باوجود بھی مجھے سب کچھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ شاید یہ اس وادی کا ہی طلسم تھا۔ میں اٹھا اور کراہتا ہوا اس پراسرار عمارت کی سمت چلنے لگا۔ وہ عمارت جو کہ ایک محل نما تھی۔ کافی دیر تک چلنے کے بعد بالآخر عمارت کے اس قدیم مگر مضبوط دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ دروازہ نہایت ہی خوبصورت، مضبوط مگر بوسیدہ تھا۔ اس پر ایک بڑی سی زنجیر لٹک رہی تھی۔

میں نے اس زنجیر کو کھینچا تو کہیں دور سے مجھے گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔گھنٹی بجتے ہی مجھے اپنے اندر ایک سرد لہر سی دوڑتی محسوس ہوئی۔اس پراسرار محل میں کچھ تو ایسا تھا جس کی وجہ سے مجھے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔

گھنٹی کے بجنے کے بعد کافی دیر گزر گئی مگر کوئی بھی نہ آیا۔میں مڑ کر واپس ہی جانا چاہتا تھا کہ اچانک مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی جو کہ بند دروازے کے پیچھے سے آرہی تھی۔ساتھ ہی کواڑوں کی جھریاں روشن ہوگئیں۔اچانک ایک ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی کنجی کا استعمال کر رہا ہو۔آواز سمع خراش تھی۔اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ تالا مدتوں سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔پھر ایک چرچراہٹ کی آواز سے دروازہ کھل گیا۔

میرے سامنے جو چہرا آیا اس کو دیکھ کر خوف سے میری کپکپی چھوٹ گئی تھی۔وہ ایک طویل القامت بوڑھا تھا جو سر سے گنجا تھا۔اس کی مونچھیں بہت زیادہ گھنی تھیں۔چہرے کی اور ٹھوڑی کی بناوٹ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی بھیڑیا ہو اور اپنے شکار کی تلاش میں باہر نکلا ہوا۔اس کی آنکھیں ناقابل یقین حد تک سرخ تھیں۔ایسا لگتا تھا کہ بہت سرخ مرچیں ان آنکھوں میں جھونک دی گئی ہوں۔اسکے ہاتھوں کو دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ اس شخص کے اندر خون کی بہت زیادہ قلت ہو۔ہاتھ بھی سفید تھے۔اس کے ہاتھ میں ایک پرانے طرز کا شمع دان تھا جس کی لو بالکل ہی سیدھی اٹھی ہوئی تھی۔روشنی کے سائے دیوار اور محرابوں پر رقص کر رہے تھے۔

''بابو صاحب قصر شیطان آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔'' اس کی پھٹی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

قصر شیطان سن کر میں لرز کر رہ گیا۔گویا میں کسی شیطان کے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن میرے قدم من من بھر کے ہوگئے۔میں کوشش کے باوجود بھی

اپنے پیروں کو ہلا نہ سکا۔ میری بے بسی کو دیکھ کر وہ مسکرانے لگا۔ اسکی مسکراہٹ مجھے زہر لگی۔ واپسی کے لئے میرے قدم اٹھنے کے قابل نہ رہے۔ اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے قدم ازخود آگے بڑھنے لگے ہوں جس میں میرے ارادے کا دخل نہ تھا۔ میں اس دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔

اب میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لنے لگا۔ ایک چکردار زینہ طے کرنے کے بعد اب میں اس کی راہ نمائی میں ایک تنگ گزرگاہ سے گزر رہا تھا جس کے اختتام پر ایک دروازہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے ایک خوبصورت سا کمرا تھا جس کی دیواروں پر بلبوں کی جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ کمرا نہایت گرم اور فرحت بخش تھا۔ اس کے وسط میں ایک میز بچھی تھی جس پر انواع واقسام کھانے چنے ہوئے تھے۔ کھانے دیکھ کر میرا سارا خوف زائل ہو گیا۔ اب نہ مادھون یاد تھا نہ ہی اس ماحول کی پراسراریت۔

''معزز مہمان، آپ تشریف رکھیں۔ محترمہ جولیا ابھی آتی ہیں۔'' وہ سر کے بل جھک کر بولا۔ اس کے انداز میں کافی احترام موجود تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ بوڑھا مسکرا کر بولا۔

''معزز مہمان۔ سامنے غسل خانہ ہے۔ آپ اگر نہانا چاہیں تو بے شک نہا سکتے ہیں۔''

اس کی بات سن کر ایک خیال میرے ذہن میں آیا۔

''میرے معزز میزبان نہانے کی خواہش ہے مگر کپڑے بہت میلے اور پھٹ چکے ہیں۔''

میری بات سن کر وہ مسکرایا اور بولا۔

''قصر شیطان میں کوئی بات ناممکن نہیں، آپ تاریک وادی کی سب سے معزز ہستی کے گھر مہمان ہیں۔''

اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ میں طویل سانس لے کر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے گزرے ہوں گے کہ وہی بوڑھا دوبارہ حاضر ہوا۔ اب کی بار اس کے پاس میرے لئے کپڑے تھے۔ وہ سیاہ رنگ کا ایک چوغہ تھا جیسا کہ اس نے خود بھی زیب تن کر رکھا تھا۔ اس نے چوغہ میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

''سامنے باتھ روم ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ وہاں سے باہر نکل گیا۔

میں باتھ روم میں چلا گیا۔ بہت عرصے کے بعد پانی سے غسل نصیب ہوا تھا اس لئے فرحت کا احساس جسم و جان میں دوڑ گیا۔ میں چوغہ پہن کر باہر نکلا تو اسی ماحول کا ایک حصہ معلوم ہونے لگا تھا۔ جیسے ہی میں باہر نکلا تو میں نے اپنے سامنے اسی دربان کو پایا جو کہ گیٹ کھولنے میرے ساتھ آیا تھا۔

''معزز مہمان۔ آپ اس میز پر بیٹھ جائیں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر میں اور بھی گیسٹ آنے والے ہیں۔''

میں اسی کھانے کی میز پر بیٹھ گیا۔ میز کے گرد کل سولہ کرسیاں رکھی تھیں۔

کچھ ہی لمحات گزرے تھے کہ اسی دروازے میں لوگ گزر گزر کر اندر آنا شروع ہو گئے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ سب ہی نے سیاہ رنگ کے چوغے پہن رکھے تھے۔ سب نے اپنی آنکھوں اور چہرے کو چھپانے والا ایک ماسک پہن رکھا تھا۔ ماسک کا رنگ نیلا تھا۔ سارے بغیر کچھ کہے اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان لوگوں نے مجھے دیکھ کر کسی قسم کے تعجب کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس دربان اور میرے علاوہ سب ہی ماسک میں تھے۔ ٹیبل پر لگے ہوئے کھانوں سے نہایت ہی فرحت بخش اور دلفریب خوشبو آ رہی تھی جس سے میرا دل از خود اس کی طرف مائل ہو رہا تھا۔ وہی دربان ہم سب کی طرف دیکھ کر بولا۔

”معزز مہمانو! آپ سب کو قصر شیطان میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ ہر سال کی طرح ہم سب ایک بار پھر جمع ہوئے ہیں تا کہ معزز آقا کو خوش کیا جا سکے۔ ابھی تھوڑی دیر تک مادام جولیا تشریف لا کر اس محفل کا آغاز کریں گی۔“ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میں نے کمرے میں نہایت ہی خوبصورت لڑکی کو اندر آتے ہوئے دیکھا۔ زندگی میں، میں نے اس قدر خوبصورت لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ نائلہ اور روزی کی خوبصورتی بھی اس کے سامنے ماند تھی۔ سیاہ رنگ کا اسکرٹ اس کے قیامت خیز جسمانی نشیب و فراز کو چھپانے میں ناکام ثابت ہو رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر مجھے اپنے جسم میں دوڑتا ہوا خون تیز ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بڑے انداز سے چلتی ہوئی میرے سامنے سے گزری تھی۔ اس نے جن قاتل نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ وہ نظر کافی تھی میرے ایمان کو ڈگمگانے کے لئے۔ پھر وہ جا کر اپنی نشست پر بیٹھ گئی۔ اس نے بولنا شروع کیا۔ یوں لگا جیسے وہ کانوں میں رس گھول رہی ہو۔ آواز بہت خوبصورت اور دلفریب تھی۔ اتنی خوبصورت آواز جس کو سن کر کلاسیکل میوزک کا احساس جاگے۔

”میرے معزز دوستو! یہ رسم میرے ڈیڈ شیطان سنگھ نے شروع کی تھی۔ معزز آقا کی مہربانی سے سالہا سال سے رسم چلی آ رہی ہے اور آگے بھی چلتی رہے گی اور آقا کی مہربانی ہم پر یوں ہی قائم رہے گی۔“

اتنا کہہ کر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور پھر سب کھانے میں مشغول ہو گئے۔ کھانا بہت لذیز تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ معزز مہمانوں کے سامنے ایک ایک گلاس رکھا ہوا تھا جس میں ارغوانی رنگ کا مشروب تھا۔ وہی مشروب میرے سامنے بھی تھا۔ کھا پی چکنے کے بعد سب نے مشروب پیا۔ مشروب کا ذائقہ قدرے تلخ اور ترش تھا۔ مشروب پینے کے بعد مجھے

جیسے نیند آنے لگی تھی۔ مجھے عالم غنودگی میں دیکھ کر جولیا بولی۔

''معزز مہمان، آپ کو یہاں پر پہلی بار دیکھا، میرے خیال سے آپ کو نیند آرہی ہے۔ آپ کو آرام کرنا چاہیے۔'' وہ شستہ لہجے میں بولی۔

''مجھے بھی ایسا لگتا ہے۔'' میں مسکرایا پھر میں نے اٹھنے کی کوشش کی اور دربان نے مجھے تھام لیا۔ میں دربان کے ساتھ تھوڑا ہی آگے چلا ہوں گا کہ مجھے ایک زور کا چکر آیا اور پھر میں اس کے ہاتھوں میں جھول گیا۔

☆......☆......☆

ایک تیز قسم کی کپکپی کے احساس سے میری آنکھ کھل گئی۔ میرے اردگرد گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں کس جگہ پر ہوں۔ میں جس بھی جگہ تھا اس جگہ مجھے شدید قسم کی کپکپی محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے شدید ڈر اور خوف محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ بس موت مجھ سے چند قدموں کے فاصلے پر ہے۔ اس مشروب میں نا جانے ایسا کیا تھا جس کے سبب مجھے چکر آگئے تھے۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں لیٹا ہوا ہوں۔ میں نے ہلنے کی کوشش کی لیکن پھر مجھ پر ادراک ہوا کہ میرا جسم جکڑا ہوا ہے۔ پھر یکدم ہی روشنی ہو گئی۔ میں جس جگہ تھا اس جگہ کو دیکھ کر میری آنکھیں تحیر کے سبب پھیل گئیں۔

یہ ایک بہت بڑا کمرا تھا۔ جو دیوار مجھے نظر آرہی تھی اس پر عجیب و غریب تصاویر نظر آرہی تھیں۔ اچانک میری نگاہ چھت پر جا پڑی۔ چھت پر ایک بہت بڑے عظیم الشان بکرے کی تصویر نظر آرہی تھی۔ وہ بکرا غیر معمولی حد تک لحیم شحیم اور قدآور تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ بکرا زندہ ہو۔ ایک تیز قسم کے گھنٹے کی آواز گونجی۔ پھر وہ تیرہ لوگ کمرے کے اندر داخل ہونا شروع ہو گئے۔ اس بار ان کے جسم پر چوغہ نہیں بلکہ وہ مادرزاد برہنہ تھے۔ ان کی نافوں پر بکرے کی

تصویر بنی ہوئی تھی۔ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔عام حالات میں اگر میں کسی عورت کو اس حالت میں دیکھتا تو شاید میں دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی لیکن اسوقت تو میرا دل کن پٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ان سب کے چہروں پر ان کی آنکھوں کے درمیان والا حصہ سیاہ رنگ کے پینٹ سے رنگا ہوا تھا۔ان سب کے ہاتھوں میں بڑے بڑے خنجر تھے جو کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھے تھے۔

اچانک میں نے دروازے سے جولیا کو اندر آتے دیکھا۔اس کو دیکھ کر میں چونکا۔اس کے جسم کے نشیب وفراز قیامت تھے۔اتنے خطرناک حالات کے باوجود بھی میرے دل میں ایک بار اس کے قرب کی تمنا جاگی ضرور تھی۔مگر وہ تو مجھے موت بن کر ملی تھی۔بکرے کے نتھنوں سے غیظ وغضب کے سبب دھواں نکل رہا تھا۔اچانک میں نے اس بکرے کی آنکھوں میں خوف دیکھا۔وہ سارے خنجر لے کر میری سمت بڑھ رہے تھے۔میں نے دیکھا کہ وہ بکرا اپنے کھروں کو بڑی ہی تیزی سے فرش پر مار رہا تھا جیسے کہ غصہ کا اظہار کر رہا ہو۔جیسے ہی وہ خنجر لے کر میرے سامنے آئے اور اپنے ہاتھ بلند ہی کیے تھے کہ میں نے اپنی مٹھی کھول دی۔روشنی کا ایک تیز جھماکا میری مٹھی سے باہر نکلا تھا۔روشنی کے اس جھماکے نے جولیا سمیت ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔پھر یکدم وہ ساری موم بتیاں بجھ گئیں۔پھر سارا کمرا غیر انسانی چیخوں سے گونج اٹھا۔پھر مجھے ایسا لگا کہ کسی نے مجھے دھکا دیا ہو۔دھکا نہایت زوردار تھا۔میں لڑکھڑا گیا۔لڑکھڑا کر جب میں اٹھا تو سارا منظر بدلا ہوا تھا۔نہ جولیا تھی نہ وہ محل۔میں انہی نیلے پہاڑوں پر کھڑا تھا۔شام کا وقت تھا ہلکی سی دھوپ تھی جس سے موسم خوشگوار ہو رہا تھا۔اچانک میں نے مادھون کو دیکھا۔وہ ایک پتھر پر بیٹھا تھا اور میری طرف طنزیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔اس کا وجود بدستور بدبو کی دکان بنا ہوا تھا۔

”آیا سواد موت کو اتنے پاس دیکھ کر۔“

اس کی بات سن کر میں غصہ میں آ گیا۔

”مطلب، تو جانتا تھا کہ میں کہاں ہوں۔“

”ہاں۔ تیرے بھاگنے پر مجھے غصہ تھا۔ اتا کا ڈر ایک کنکار (ڈھانچے) کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہو۔“

”وہ زندہ تھا۔“

”ارے یہ تاریک وادی ہے، یہاں قدم قدم پر موت اور طلسم ہے۔۔ سمجھ گیا۔۔ اب چل وہ دیکھ سامنے مندر ہے۔“

ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ ایک پہاڑی چڑھائی اترنے کے بعد سامنے ایک بڑا سا میدان تھا۔ میدان کا رنگ نیلا تھا۔۔ وہاں میں نے جو کچھ دیکھا اس کو دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اگر وہ انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تھا واقعی وہ قابل تعریف تھا۔

میدانی زمین پر ایک بہت بڑی کتاب کھلی تھی جو کہ پہاڑی چٹانوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اتنی بڑی اور پرشکوہ کتاب میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔ کتاب کے سائز کا اندازہ لگانا بہت مشکل تھا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ وہ جناتی تھی۔ اس کتاب کی زبان ناقابل فہم اور لفظ اتنے بڑے بڑے تھے کہ اس کے اندر عمارت قائم کی جا سکتی تھی۔

”یہ پستک طلسمی ہے۔ اس کے کسی لفظ کے اندر وہ مندر ہے۔“ مادھون نے کہا۔

پھر ہم دونوں اس کتاب کے اوپر چڑھ گئے۔ اس کے ایک ایک لفظ کے اندر ایک روشنی سی آتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ روشنی کبھی تیز ہوتی اور کبھی ہلکی ہوتی۔ ہم ایک لفظ کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ وہ ایک نقطے کا نشان تھا۔ لفظ گول اور چوکور تھے۔

”ہمرے حساب سے اس نقشے کے مطابق یہی وہ لفظ ہے جس میں وہ مندر ہے۔“
”پھر چلیں اندر۔“ میں نے کہا۔
”اگر غلط ہوا۔ تو ہم ہمیشہ کے لئے اس مندر کا رستہ کھو دیں گے۔“
میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اچانک مجھے اس لفظ کے اندر سے سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ پھر میں نے کسی چیز کو باہر آتے ہوئے دیکھا۔ اس سوراخ سے ایک سر باہر آرہا تھا۔ جیسے ہی سر باہر آیا اس کو دیکھ کر میں چونک پڑا۔ وہ سانپ تھا۔ سرخ رنگ کا ایک چمکیلا جس کے سر پر گولڈن کلغی تھی۔ جس نے مجھ پر پہلے ہی حملہ کیا تھا۔
”یہی راستہ ہے۔“ مادھون سانپ کو دیکھ کر چلایا۔
سانپ اب سوراخ سے باہر آچکا تھا اور اپنی دوشاخہ زبان لپلپاتے ہوئے اپنی چھوٹی چھوٹی قہر آلود نظروں سے مادھون کو گھورے جا رہا تھا۔
”ست پال آنند۔ تو جتنے بھی روپ دھار لے مجھ سے نہیں بچ سکتا۔“
اس کے منہ سے ست پال آنند سن کر میں چونک پڑا۔ یہ نام سنا سنا لگتا تھا، مگر میرے ذہن میں نہیں آرہا تھا کہ یہ نام میں نے کہاں سنا تھا۔ اچانک سانپ نے جست لگا کر مادھون پر حملہ کیا اور مادھون لڑکھڑا کر کتاب سے نیچے گر پڑا۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش ہی کی تھی اچانک میں نے دیکھا کہ سانپ نے دھویں کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ اب اس دھویں کی جگہ ایک انسانی وجود کھڑا تھا۔ وہ ننگ دھڑنگ سادھو تھا جس کی ایک بڑی سی چٹیا لٹک رہی تھی۔ وہ قہر آلود نگاہوں سے مادھون کو گھور رہا تھا اور مادھون اس کو بھی انہی نظروں سے گھور رہا تھا۔
”دھکاری (ملعون) تیرا سپنا کبھی پورا نہیں ہوگا چندرما کبھی جھک کر زمین سے نہیں مل سکتا۔“ وہ سادھو مادھون کی طرف دیکھ کر بولا۔ اس کی بات پر مادھون کے ہونٹوں پر طنزیہ

مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''بچاری ست پال گزر چکا ہے۔ اب کوئی نیچ ذات کا نہیں اونچ ذات کا نہیں۔'' مادھون نے سنجیدگی سے کہا۔

اس کی بات سن کر سادھو کی آنکھوں میں قہر ناچنے لگا تھا۔ دوسرے ہی پل وہ چلایا۔

''نیچ ذات کے تانترک شنکر تیرے شریر کیساتھ تیری آتما کو بھی نشٹ کر دینا چاہیے تھا تا کہ تو دوبارا اس دنیا میں نہ آتا۔''

ان کی باتوں کو سن کر میں چونک پڑا۔ وہ مادھون کو شنکر کہہ کر کیوں پکار رہا تھا، کیا مادھون مر چکا تھا، یہ اس کی روح ہے؟ میں نے شنکر اور سادھو پہلے بھی سن رکھا تھا لیکن کہاں۔۔ اچانک مجھے یاد آگیا کہ میں نے یہ نام کہاں سنے تھے۔ اس نقشہ میں جو داستان تھی اس داستان میں یہ نام تھے۔ گویا وہ داستان سچ تھی۔ یہ وہی شنکر تھا جس کو راجا کے سپاہیوں نے زندہ جلا دیا تھا۔ خوف وحیرت سے میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ تو یہ سفر خزانے کے لئے نہیں ان لاشوں کے لئے تھا جو اس مندر میں تھیں۔ تبھی مادھون کچھ کھاتا پیتا نہیں تھا جبھی اس کے جسم سے جلنے کی بدبو سے آتی ہے کیونکہ اس کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔ میں انہی سوچوں میں مستغرق تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ مادھون نے اس سادھو پر حملہ کر دیا ہے۔ مادھون کے حملہ کرتے ہی سادھو کا ہاتھ چلا اور مادھون اڑتا ہوا دور جا گرا۔ دوسرے ہی پل میں نے دیکھا کہ اس سادھو نے شیر کا روپ اختیار کر لیا۔ شیر کی دھاڑ انتہائی خوفناک تھی۔ خوف سے میری گھگھی بندھ گئی اور اس میں نقطہ کے اندر گر پڑا۔ گرتے وقت میں نے صرف اتنا دیکھا کہ سادھو نے مادھون پر حملہ کر دیا ہے۔

مجھے یوں لگا کہ میں اونچائی سے نیچے گہرائی میں گرتا چلا جا رہا ہوں۔ میرے اردگرد اندھیرا

ہے اور میری چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ میری آنکھیں از خود بند ہو رہی ہیں۔ اور پھر میں سیدھا زمین پر جا گرا۔ کافی دیر تک میں زمین پر پڑا رہا۔ گرنے کے سبب میری کمر میں درد سا محسوس ہو رہا تھا۔ شاید مجھے کمر میں گہری چوٹ آئی تھی۔ میں کراہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ مجھے ایک کچی پگڈنڈی سی نظر آئی۔ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس پگڈنڈی پر قدم آگے بڑھا دیے۔ میں چلتے ہوئے یہی سوچ رہا تھا کہ یہ سفر مجھے کہاں لے جائے گا۔ مادھون کے بقول اسی نقطے میں جس میں گرا تھا وہ مندر اسی کے اندر ہے۔

قارئین! میری یہ پراسرار اور ہولناک داستان کے تمام واقعات الف لیلوی داستانوں سے کم نہیں میں اس تاریک وادی کے ایک اسرار سے نکلتا اور دوسرے اسرار میں پھنس جاتا تھا۔ میں تھوڑا ہی آگے گیا ہوں گا کہ بارش کے موٹے موٹے قطرے گرنے لگے تھے۔ کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اچانک بارش تیز ہو گئی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو اچانک مجھے درختوں کے وسط میں ایک عمارت کے آثار نظر آئے۔ میں تیزی سے اس عمارت کی سمت بھاگنے لگا۔ قریب جا کر دیکھا تو وہ عمارت دراصل ایک کھنڈر تھی۔ بہرحال بارش سے بچنے کے لئے ایک بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی۔ کھنڈر کے اندر ایک ٹوٹی ہوئی دیوار میں کھڑے ہو کر میں یہ سوچنے لگا کہ میرے پیچھے مادھون کا کیا حال ہوا ہو گا۔ پراسرار کتاب واقعی ایک طلسمی کتاب تھی جو کہ اپنے اندر ایک پوری دنیا بسائے ہوئے تھی۔

کھنڈر میں کھڑے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ آہٹ مجھے اپنے قریب سے سنائی دی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی بھی نہ تھا۔ کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ مجھے گہرے گہرے سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ سانسوں کی آواز مجھے اپنے کان کے قریب سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ خوف سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ

گیا۔ دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ کسی کے ہاتھ کا بوجھ محسوس ہوتے ہی میرے حلق سے دلخراش چیخ نکلی اور میں کھنڈر سے باہر نکل آیا۔ اب میں نے دیوانہ وار مخالف سمت بھاگنا شروع کر دیا۔ بھاگتے بھاگتے مجھے ایک ٹھوکر لگی۔ وہ ٹھوکر شاید کسی پتھر سے لگی تھی۔ میں لڑکھڑایا، جب میں سنبھلا تو میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک ٹوٹا ہوا گیٹ ہے جو کہ آدھا زمین میں گڑا ہوا اور آدھا باہر تھا۔ میں بے دھڑک اس ٹوٹے ہوئے گیٹ میں داخل ہو گیا۔

جب میں اس کھنڈر داخل ہوا تھا تو بارش برس رہی تھی اور جب میں چلتا ہوا باہر نکلا تھا تو بارش رک چکی تھی۔ نا جانے یہ کیسا راز تھا؟ جیسے ہی میں اس ٹوٹے ہوئے گیٹ میں داخل ہوا، مجھ پر یہ راز کھلا کہ میں کسی پرانے سے قبرستان میں ہوں۔ قبرستان میں داخل ہوتے ہی مجھے شدید ٹھنڈ محسوس ہوئی تھی۔ نا جانے کیوں مجھے ایسا لگا کہ جیسے یہ جگہ نحوست سے بھری ہوئی ہے۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ قبرستان مجھے نہایت پرانا اور بوسیدہ معلوم ہوتا تھا۔ بہت سی قبریں پھٹ چکی تھیں اور جو قبریں سلامت تھیں ان پر کتبے موجود نہیں تھے۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ قبرستان کے اندر تھوڑے فاصلے پر مجھے ایک عمارت دکھائی دی تھی۔ عمارت کافی بوسیدہ اور خستہ حال معلوم ہوتی تھی۔ میں نے ناچار اس عمارت کی سمت چلنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی میں آگے بڑھا اچانک مجھے ایسا لگا کہ کوئی میرے ساتھ ساتھ چل رہا ہو۔ یہ احساس اتنا قوی اور شدید تر تھا کہ میں گھبرا گیا۔ خوف سے میرے پسینے چھوٹ گئے۔ میں بہت ڈر گیا تھا۔ میرے خوف کو دو چند کرنے کے لئے یہی احساس کافی تھا کہ ایک نادیدہ وجود میرے ساتھ تھا جس کو میں دیکھ تو نہیں سکتا تھا مگر محسوس ضرور کر سکتا۔

''کون ہو تم؟'' میں نے لرزتے ہوئے کہا۔

جواب میں مجھے ایک درد میں ڈوبی ہوئی سسکی کی آواز سنائی دی۔ سسکی سنتے ہی میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔

''کون ہو تم۔۔سامنے کیوں نہیں آتے۔'' میں نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

جواباً سسکی کی آواز دوبارہ میرے کانوں سے ٹکرائی۔ اب کی بار درد میں زیادہ شدت تھی۔ میں بھاگ جانا چاہتا تھا مگر میرے قدم من من بھر کے ہوگئے۔ میرے جسم نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ خوف سے میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ میں دل ہی دل میں مادھون کو برا بھلا کہنے لگا۔ پھر اچانک مجھے کافور کی تیز بو محسوس ہوئی۔ میں چونک گیا۔ میں نے اپنے سامنے ایک ہیولے کو نمودار ہوتے دیکھا۔ وہ کسی مرد کا ہیولہ تھا جس کی عمر تیس سال کے آس پاس تھی۔ اس کا چہرہ داڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ اس کو دیکھ کر میں ڈر گیا۔ شاید وہ کوئی روح تھی۔

''افسوس۔۔تم بھی پھنس گئے۔'' اس کا لہجہ درد میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کون ہو تم۔۔'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میرا نام مالونگ ہے۔ میں اس وادی کا رہائشی ہوں۔ تم اس وادی کے سب سے خوفناک اسرار میں پھنس چکے ہو۔ یہی بتانے میں کھنڈر میں آیا تھا مگر تم ڈر کر بھاگ نکلے۔''

''کیسا اسرار۔۔تم ایک بدروح ہو؟''

جواب میں میرے کانوں نے ایک درد بھری ہنسی سنی۔

''نہیں میرے دوست، میں بدروح نہیں تمہاری طرح انسان ہوں۔ اور اس وادی کا رہنے والا ہوں۔ بس میری روح کو میرے جسم سے الگ کر دیا گیا ہے۔'' مالونگ نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

”روح کو الگ کر دیا گیا ہے۔۔میں سمجھا نہیں۔“

”بہت جلد سمجھ جاؤ گے مگر تم ہو کون۔“

”میرا نام امجد ہے میں اپنے ساتھی کے ساتھ جہاز میں سفر کر رہا تھا اور جہاز ڈوب گیا اور ہم اس وادی میں پہنچ گئے۔“

میری بات پر مالونگ ہنسا اور بولا۔

”میرے دوست، لوگ اس وادی میں ہمیشہ اسراروں کی تلاش میں آتے ہیں تم کو کس چیز کی تلاش ہے؟“

”میرے ساتھی کو دو چہروں والے مندر کی تلاش ہے۔“

میری بات سن کر مالونگ کے منہ سے تحیر خیز آواز نکلی اور پھر وہ حیرت سے بھرے لہجے میں بولا۔”یہ وہی مندر ہے ناں جو ہزاروں سال پرانا ہے۔۔اور اس میں کوئی پراسرار خزانہ بھی موجود ہے۔“

اس کی بات سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔اس کا مطلب وہ نقشہ ٹھیک تھا۔واقعی کوئی ایسا مندر موجود تھا۔

”وہ مندر موت کا مندر ہے۔اس وادی کے سارے اسرار اس مندر سے وابستہ ہیں۔اگر تم وہاں گئے زندہ واپس نہیں آؤ گے۔“

اس کی بات سن کر میں گھبرا گیا تھا۔ابھی میں کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک میں نے مالونگ کے چہرے پر خوف ظاہر ہوتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ بولا۔

”میں جا رہا ہوں۔میں دعا کرونگا کہ تمہاری روح تمہارے جسم سے الگ نہ ہو۔“

اتنا کہہ کر میں نے مالونگ کے ہیولے کو دھویں کے روپ میں دیکھا اور پھر وہ دھواں فضا

میں منتشر ہو گیا۔ مالونگ کے جاتے ہی مجھے خوف سا محسوس ہونے لگا تھا۔ نا جانے مادھون کہاں تھا۔ اس منحوس سادھو نے اس کو مار تو نہیں دیا مگر مادھون تو پہلے ہی مرا ہوا تھا۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ اچانک مجھے سردی سی محسوس ہونے لگی۔ سردی اس قدر تھی کہ میرے دانت بجنے لگے تھے۔ میں نے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ میرے سن پیروں میں جان پڑ چکی تھی۔ سردی سے بچنے کے لئے میں تیز تیز چلتا ہوا اس عمارت میں داخل ہو گیا۔ میرے ذہن میں مالونگ کے الفاظ گونج رہے تھے کہ خدا کرے تمہارا سایہ تمہارے جسم سے الگ نہ ہو۔

جیسے ہی میں عمارت کے اندر داخل ہوا سردی کا احساس نہ صرف ختم ہو گیا بلکہ مجھے گرمی محسوس ہونے لگی تھی۔ اچانک میرے کانوں نے کسی کے رونے کی آواز سنی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ آواز میں نہایت درد و کرب تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کسی بچے کو اس کی ماں سے جدا کر دیا گیا ہو۔ آواز سامنے والی کوٹھڑی سے آ رہی تھی۔ آواز کا راز جاننے کی نیت سے میں اس کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ کوٹھری میں داخل ہوتے ہی میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی تھا۔

☆......☆......☆

تاریک وادی کا یہ نیا اسرار میرے سامنے تھا۔ یہ ایک بہت بڑا کمرا تھا۔ اس کی دیواروں پر عجیب و غریب تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ وہ ساری تصویریں جانوروں کی تھیں لیکن ایک تصویر جو کہ سب سے زیادہ نمایاں تھی وہ بلی کی تھی۔ دیواروں پر چاروں طرف شمعدان روشن تھے جن کی نیلی روشنی منظر کو نہایت ہی خوفناک بنا رہی تھی۔ دیواروں پر نا جانے کون سی زبان میں کیا لکھا تھا میں سمجھنے سے قاصر تھا۔ شاید کوئی اشارتی زبان تھی۔ کمرے میں چاروں طرف قطار در

قطار سنگ مرمر کے چبوترے پر تابوت رکھے تھے جن کا رنگ نیلا تھا۔ تابوتوں کی تعداد سو سے زیادہ ہی تھی۔ اس کمرے کے وسط میں نیلے رنگ کے سنگ مرمر کے چبوترے پر ایک تابوت رکھا تھا جس کا ڈھکن کھلا تھا۔ تابوت کے بالکل سرہانے کی جانب ایک حنوط شدہ ممی سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس ممی کے پھیلے ہوئے دونوں ہاتھوں میں نیلے رنگ کے پتھر کا پتیلا نما کوئی برتن موجود تھا۔ اس سے بوند بوند کر کے خون اس تابوت میں گر رہا تھا۔ تابوت کے چاروں کونوں میں چار چھوٹے چھوٹے شمعدان روشن تھے جن کی روشنی بھی نیلی تھی۔ اس کمرے میں عجیب سی خنکی تھی۔

''اے میرے رب، یہ کیا ماجرا ہے؟'' میں دل ہی دل میں بڑبڑایا۔

میں لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ چلتا ہوا ان تابوتوں کے پاس جا پہنچا۔ تابوتوں کو دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ہر تابوت کے اندر لیٹا ہوا مردہ مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ہر مردے کے چہرے کا رنگ نیلا تھا اور باقی جسم سفید رنگ کا تھا۔ اچانک مجھے ایک تابوت میں مالونگ لیٹا دیکھا اور پھر میرے ذہن میں اس کی بات یاد آئی۔ ''میری روح کو میرے جسم سے الگ کر دیا گیا ہے۔''

یاد آتے ہی میں چونک پڑا۔ گویا یہ سب ان لوگوں کے تابوت تھے جن کی روحوں کو ان کے جسم سے الگ کر دیا گیا ہے مگر مالونگ کیسے بھاگا، یہ سوال غور طلب تھا۔ میں کچھ سوچتا ہوا وسط میں رکھے ہوئے تابوت کے پاس جا پہنچا۔ جیسے ہی میں نے تابوت کے اندر جھانکا میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ تابوت کا اندرونی حصہ کسی پراجیکٹر کی طرح روشن تھا۔ اس کے اندر جیسے فلم سی چل رہی تھی۔ میں نے مادھون اور سادھو کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا۔ سادھو ست پال آنند شیر کا روپ اختیار کر چکا تھا جو کہ سرخ دھاریوں والا تھا۔

اچانک میں نے اپنے آپ کو اس نقطے میں گرتے ہوئے دیکھا۔ مجھے گرتے دیکھ کر مادھون میری سمت بڑھا مگر شیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ جواباً مادھون نے بھی جھکائی دے کر اس سے بڑے کالے چیتے کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ دونوں غیر انسانی قوتیں ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہی ہیں۔ مادھون اور سادھوست پال آنند بری طرح سے زخمی ہو چکے ہیں۔ اچانک اس سیاہ چیتے کے ایک بھرپور پنجے سے سرخ دھاریوں والے شیر کا سر الگ ہو کر ہوا میں بلند ہو گیا۔ اس سے قبل وہ سر نیچے آتا، سیاہ چیتے نے اس شیر کے باقی جسم کو بری طرح سے بھنبھوڑ کر رکھ دیا۔ جیسے ہی باقی جسم کے ٹکڑے ہوئے، فضا میں لہراتا ہوا سر ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ اسی لمحے اس سیاہ چیتے نے جو مادھون تھا اس نقطے میں چھلانگ لگا دی۔

منظر ختم ہو چکا تھا۔ اب میں کسی دوسرے منظر کے انتظار میں تھا۔ کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ مجھے ایک دوسرا منظر دکھائی دیا۔ وہ ایک عجیب سی جگہ تھی۔ چاروں طرف خودرو جھاڑیاں اور پودے تھے اور بہت سی قبریں تھیں۔ ایسی شفاف قبریں میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ قبر کے اندر کا منظر بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اندر دھواں سا تھا جو کہ انسانی شکل کا تھا۔ اس دھواں کے چہرے پر کرب کے تاثرات تھے۔ پھر میں نے دو آدمیوں کو قبر کھودتے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں قبر تو کھود رہے تھے مگر اس قبر کا جنازہ ندارد تھا۔

''اس قبر کا مردہ کہاں ہے؟''

''ابھی آجائے گا پھر اس کی روح بھی ہم لوگ دفن کر دیں گے اور جسم کو پراسرار محل میں دفنا دیں گے۔''

اس کی بات سن کر میں چونک گیا۔ گویا یہ روحوں کا قبرستان تھا۔ اس قبر میں روحیں دفن تھیں۔ اور ان کے جسم اسی کمرے میں تھے جو کہ تابوت میں رکھے تھے۔ اچانک ایک گورکن بولا۔

”بھائی! ایک انسان کی روح اپنی قبر میں دفن ہونے سے بچ گئی ہے۔ اگر اس کو نہیں پکڑا تو ہماری اپنی بلی ہو جائے گی۔“ پہلے نے کہا۔

”مگر وہ نکلا کیسے۔“ دوسرے نے پوچھا۔

”میری ہی غلطی تھی۔“ پہلے نے کہا۔

”خیر کوئی بات نہیں غلطی تو غلطی ہی ہے۔“

وہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک مجھے کسی نے دھکا دیا اور میں اس تابوت کے اندر جا گرا جیسے ہی میں اس تابوت میں گرا، ہوا کے تیز جھکڑ چلنے لگے۔ میں نے اپنے اردگرد تیز ہوائیں محسوس کیں۔ جیسے ہی وہ ہوائیں رکیں میں نے اپنے آپ کو اسی قبرستان میں پایا جہاں وہ گورکن تھے۔ چاروں طرف بے شمار قبریں ہی قبریں تھیں، جن کی دفن شدہ روحیں مجھے نظر آ رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ چلایا۔

”دیکھو۔۔۔ اس قبر کا شکار آ گیا ہے۔۔۔ پکڑو اس کو۔“

یہ سننا تھا کہ میرے حلق سے چیخ نکلی اور میں دیوانہ وار بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں چلاتے ہوئے میرے پیچھے آ رہے تھے۔ بھاگتے بھاگتے میں ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں دریا بہہ رہا تھا۔ اس دریا کا پانی سبز رنگ کا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کسی نے اس میں زہر گھول دیا ہو۔ اتنا سبز پانی میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ تاریک وادی میں ہر چیز میرے لیے تو عجوبہ ہی تھی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ وہ دونوں چلاتے ہوئے میرے بالکل قریب آ گئے ہیں۔ پھر میں نے بغیر سوچے سمجھے اس پانی میں چھلانگ لگا دی۔ میرے چھلانگ لگاتے ہی پانی کا بہاؤ تیز ہو گیا۔ میں نے اس پانی میں ہاتھ پیر چلانے شروع کر دیے۔ اچانک مجھے ایسے لگا کہ جیسے کسی نے میرا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا ہو۔ جیسے میں باہر آیا میں نے دیکھا کہ میرا ہاتھ پکڑنے

والا مادھون تھا۔ مادھون کی نظروں میں، میں نے سنجیدگی دیکھی۔

"تھورا نصیب اچھا ہے جو کہ روحوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے بچ گیا۔"

"اس قبرستان میں بہت مظلوموں کی روحیں دفن ہیں۔"

"ہونے دے۔۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ تاریک وادی کے اسرار ختم نہیں ہو سکتے۔" مادھون نے کہا۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند لمحات کے بعد مادھون نے کہا۔

"سامنے دیکھ۔"

میں نے سامنے دیکھا تو پہاڑی کی چوٹی کے اوپر مجھے نیلے رنگ کا پر شکوہ مندر نظر آیا تھا جو کہ رات کے اندھیرے میں چمک رہا تھا۔ واقعی یہ ایک عظیم الشان مندر تھا جو کہ کسی ہرم کے اسٹائل میں بنا ہوا تھا۔ ہرم کی دیواریں دو چہروں کی تھیں۔ ایک مرد کا اور ایک عورت۔ ہم دونوں نے اس پہاڑی کی سمت چلنا شروع کر دیا۔ مادھون کے چہرے پر میں نے ایک عجیب سا جوش دیکھا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ اپنی منزل کے بہت نزدیک آ گیا ہو۔

"مادھون تو ہے کون؟" میں نے چلتے چلتے مادھون سے پوچھا۔

میری بات سن کر اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"تجھے کیا کرنا ہے خزانہ لے لیں گے اور نکلیں گے۔"

"نہیں۔۔ بات صرف خزانہ کی نہیں اور کچھ بھی ہے۔۔ سچ بول۔۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

میری بات پر اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"تو ٹھیک کہتا ہے۔۔ میں مادھون نہیں شنکر ہوں کمار کا دوست۔ جو کہانی نقشہ میں تم نے

سنی تھی وہ سچ ہے۔۔ مجھے راجا کے ظالم سینا نے زندہ جلا دیا تھا۔ میری آتما اس سنسار میں بھٹکنے لگی۔ میں نے اسی وقت سوگند کھائی کہ راجا سے بدلہ لونگا۔ بدلہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ ذات پات بھید بھاؤ کا خاتمہ ہو مگر کمار پکڑا گیا اور انہوں نے اس کو پھانسی دے دی اور راجکماری نے آتما ہتیا کرلی۔ اپنے متر کی موت میرا دل بدلے کی بھاؤنا میں جلنے لگا، لیکن پجاری ست پال نے میرے متر کمار اور راجکماری کی آتماؤں کو اسی مندر میں سونے کے بت میں تبدیل کر کے کہیں قید کر دیا۔ اب ان آتماؤں کو آزاد کروانا میری ذمہ داری ہے تاکہ یہ دوسرا جنم لے سکیں تاکہ اس احسان کا بدلہ پورا ہو جو کمار نے مجھ پر کیا تھا۔"

"کیسا احسان؟"

"میری ماں جب بیمار تھی تب اس نے میری مدد کی تھی۔ آج ان کی آتماؤں کو آزاد کر کے میری قسم پوری ہو گی۔" اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

اس کی داستان سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ دیومالائی داستان سچ بھی ہو سکتی ہے مگر اس دنیا میں کوئی بھی چیز ناممکن نہیں تھی۔ یہ بھی میرے لئے حیران کن تھا۔ میں ایک عرصے سے ایک بدروح کے ساتھ تھا اور اس کے جسم کی بدبو کی وجہ یہی تھی کہ اس کو جلا دیا گیا تھا۔ اس کی روح اس کی جلنے کی بدبو کو مٹا نہ سکی تھی۔

ہم دونوں آہستہ سے چلتے ہوئے اس مندر تک پہنچ گئے۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا میں نے اپنے دماغ میں آتے ہوئے سوال کو مادھون نے سامنے ظاہر کر دیا۔

"پھر اس راجا کا کیا ہوا؟"

میری بات سن کر وہ ہنسا اور پھر بولا۔

"راجا کا پریوار ایک روز جل کر مر گیا۔ محل میں آگ لگ گئی سارا کٹم جل گیا۔" اس نے

پراسراری مسکراہٹ سے کہا۔
میں نے دیکھا کہ یہ خبر سناتے ہوئے اس کے چہرے پر خوشی تھی۔ میں نے اگلا کوئی سوال نہ پوچھا۔ مجھے یقین تھا کہ راجا کے محل میں آگ اسی نے لگائی ہوگی۔ اب ہم اس مندر کے گیٹ کے تک پہنچ چکے تھے۔ مندر کا قد آدم گیٹ خالص سونے کا تھا۔ گیٹ کھولنے میں زیادہ دشواری نہ ہوئی۔ مندر کا اندرونی راستہ ایک چھوٹے سے کوریڈور جتنا تھا۔ کوریڈور کی دونوں دیواریں سونے کی تھیں اور اس پر جلتی مشعلیں چاندی کی تھیں، اور فرش سنگ مرمر کا تھا۔ اتنی دولت دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئی تھیں۔
واقعی یہ مندر سونے کا تھا اور خزانہ کی تلاش کا سفر درست تھا۔ سامنے سے ایک زینہ اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ بھی سونے اور چاندی کا تھا۔ اس زینے پر چڑھ کر ہم ایک بڑے اور طویل ہال میں داخل ہوگئے۔ سارا کمرا سونے کا بنا ہوا تھا۔ دیواریں مشعلیں سب کی سب غرض اتنا سونا میں نے زندگی میں پہلی بار ہی دیکھا تھا۔ فرش پر بڑے بڑے مرتبان موجود تھے۔ ان مرتبانوں کو دیکھ میری آنکھیں کھل گئیں۔ ان کی تعداد کوئی دس کے قریب تھیں۔ کسی میں ہیرے، اشرفیاں، لال جواہر، سکے ہر چیز موجود تھی۔
وسط میں سنگ مرمر کے چبوترے پر دو تابوت رکھے تھے۔ ایک تابوت لکڑی کا تھا اور دوسرا سونے کا۔ ان تابوتوں کے بیچ میں ایک بہت ہی بڑی مشعل روشن تھی جو کہ انسانی قد جتنی تھی۔ مشعل سونے کی تھی۔ نیلی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی سے نکلتی ایک شعاع نے ان تابوتوں کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ یہ سب دیکھ کر مادھون کا جوش دیدنی تھا۔
''ان تابوتوں کو دیوی کے چرنوں میں لے جانا ہوگا۔'' مادھون نے کہا۔
''مگر کیوں؟''

"ان آتماؤں کی مکتی کے لئے جوان تابوتوں میں قید ہیں۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جیسے ہی ہم آگے بڑھے، شوکی ایک تیز آواز سنائی دی۔ ہمارے بالکل ہی سامنے ایک سرخ رنگ کا دوفٹ موٹا سانپ پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔

"یہ ست پال کا آخری کا وچ ہے، مگر ہم اس کو ضرور ہٹائیں گے۔"

سانپ نے ایک تیز پھنکار ماری۔ آگ کا ایک بھرپور شعلہ نکل کر مادھون کی جانب بڑھا۔ مادھون نے نا جانے کیا پڑھ کر پھونک ماری، شعلہ پانی بن کر فرش پر گر پڑا تھا۔ مادھون کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آگے بڑھ تھا۔ پھر میری آنکھوں نے حیرت انگیز منظر دیکھا۔ وہ سانپ ایک بہت بڑے اژدھے کا روپ اختیار کر چکا تھا۔ دوسرے ہی پل میری آنکھیں بھی کھل گئیں۔ اب مادھون کی جگہ ایک دوسرا اژدھا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ نتھنوں سے جیسے آگ برس رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں ان دونوں اژدھوں کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ مادھون کی شیطانی قوتوں نے، اس کی چھوڑی ہوئی آگ نے دوسرے کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

قارئین! اس کے بعد جس طرح ہم دونوں وہ تابوت لے کر مندر تک پہنچے تھے وہ ایک الگ داستان ہے۔ بڑی ہی تکلیف ہوئی تھی ہم دونوں کو۔ تھوڑی دیر کی مشقت کے بعد ہم دونوں ان تابوتوں کو لے کر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو کہ مندر معلوم ہوتی تھی۔ مندر کی دیواریں سونے کی تھیں اور ان پر جلتی مشعلیں چاندی کی۔ وسط میں ایک کالی دیوی کا قدآدم سونے کا بت نصب تھا۔ بت کے بالکل سامنے ایک بڑا سا چبوترا تھا جس پر اس ہم لوگوں نے سونے کے وہ تابوت رکھ دیے۔ ہم نے تابوتوں کے ڈھکن اٹھا دیے۔ ڈھکن اٹھتے ہی میں چونک گیا۔ اندر دو مورتیاں تھیں۔ ایک مورتی سونے کی تھی اور دوسری پیتل کی۔ پیتل والی مورتی مرد

کی تھی اور سونے والی عورت کی۔ مورتیاں دیکھ کر مادھون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”میرے متر، تیری آتما اس میں قید ہے۔ میں آج تیری آتما کو مکتی دلا دوں گا تا کہ تو دوسرا جنم لے سکے۔“

اتنا کہہ کر وہ مورتی کے سامنے گیا۔ کالی کی سونے پر شکوہ اپنی سرخ زبان نکالے کھڑی تھی۔ اس کو دیکھ کر نا جانے کیوں مجھے خوف کا احساس ہوا، جیسے وہ اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہی ہو۔ میں نے دیکھا کہ مادھون اس مورتی کے سامنے رکوع کے انداز میں جھک گیا۔ چند لمحے تک وہ جھکا رہا اور پھر بولا۔

”دیوی اپنے سیوک پر اپنا کرم بنائے رکھ، میری پراتھنا کو قبول کر۔ اپنے سیوک کامیاب، جیسے تو نے پہلے کامیاب کیا اگر تو نہ چاہتی تو سمندر میں طوفان نہ آتا اگر تو نہ چاہتی تو ہماری بوٹ اس ٹاپو میں نہ پہنچتی میری مدد کر۔“

اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور میرے پاس آیا اور بولا۔

”تھوڑے بازو سے خون نکال کر ان مورتیوں پر چھڑکنا ہو گا۔ اس کے بعد تو آزاد ہے۔ تیرے خون سے ان میں جان آ جائے گی مگر اس سے پہلے تجھ کو کالی کے قدموں میں پراتھنا کرنی ہو گی۔“

پراتھنا کی بات سن کر میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ دوسرے پل میں سخت لہجے میں کہا۔

”تیرا دماغ ہو گیا ہے، میں اس بت کے سامنے جھکوں جو اپنے چہرے سے مکھی تک نہیں اڑا سکتا۔ میں اس رب کو مانتا ہوں جو تمہارا اور میرا خالق ہے۔ میرے نبی ﷺ کی دعوت تمام شرکوں کو رد کرتی ہے۔ میں مر جاؤں گا اس غلیظ بت کے آگے نہیں جھکوں گا۔“

میری بات سن مادھون غصے کی شدت سے کانپ اٹھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے بھرپور قسم کا تھپڑ میرے چہرے پر جڑ دیا۔

"چندر پتر، تو نے میری دیوی کو پتھر کہا۔ چل معافی مانگ۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے ہونٹوں پر آیا ہوا خون صاف کرتے ہوئے کہا۔ میرا لہجہ پرعزم تھا۔ میری بات سن کر اس کے چہرے پر غصہ در آیا اور آنکھوں سے حقارت ناچنے لگی تھی۔

"اب میں تھورے کو جان سے ماروں گا۔ اپنے متر کی مکتی کے لئے چاہے مجھے ہزاروں ورش اور ہی کیوں نہ پرتیکشا کرنی پڑے۔"

اتنا کہہ کر اس نے میرا گلا پکڑ لیا اور مجھے زوردار دھکا دیا۔ میرا سر راجکماری کے تابوت سے ٹکرایا اور خون کی لکیر میرے سر بہہ نکلی۔ میرا خون راجکماری کی مورتی پر جا گرا۔ مادھون میری جانب اس نے بھرپور لات میرے پیٹ پر ماری اور میں گر پڑا اور پھر میرے سینے پر سوار ہو گیا اور میرا گلا دبانے لگا۔ میں اس کا مقابلہ کر ہی نہیں پا رہا تھا۔ اسی لمحے میری آنکھوں میں آنسو آگئے، میں نے اس دن پہلی بار اللہ کو سچے دل سے یاد کیا۔

"اے میرے رب، اے رحمٰن، اے رحیم، میری مدد فرما۔ میں اس کافر مردود کے ہاتھوں گمنامی کی موت نہیں مرنا چاہتا۔"

میرے دل سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ اچانک ایک سرگوشی میں نے سنی جو کہ بہت ہی نرم تھی وہ آواز کسی لڑکی کی تھی۔

"مایوسی کفر ہے، گناہ ہے۔ تم نے اس رب کو سچے دل سے پکارا ہے وہ تم کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔ اپنی جیب دیکھو۔"

مادھون میرا گلا دبا رہا تھا۔ میرا سانس رکنے لگا تھا اسی لمحے میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

میری جیب سے جو باہر آیا وہ ایک خنجر تھا جو کہ سفید تھا۔ میں نے پوری قوت سے اس خنجر کو اس کے سینے میں گھونپ دیا۔ خنجر کے پار ہوتے ہی اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ برآمد ہوئی تھی۔ وہ سینہ پکڑ کر پیچھا ہٹتا چلا گیا۔ اچانک میری نظر راج کماری پر پڑی، سونے کی مورتی انسانی شکل میں آچکی تھی۔ راج کماری کا حسن واقعی قابل دید تھا۔ ایسی دل موہ لینے والی خوبصورتی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

مادھون کے جسم کو آگ لگ چکی تھی۔ وہ چلاتا ہوا ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ اچانک گڑگڑاہٹ کی آواز ابھری شاید زلزلہ آرہا تھا۔ میں تیزی سے باہر کی جانب بھاگا۔ باہر آیا تو یہ دیکھا کہ مندر میں آگ لگ چکی ہے۔ اچانک میرے کانوں نے متعدد چیخوں کی آواز سنی، پھر میں نے مادھون کو دیکھا جو کہ بری طرح سے چلا رہا تھا۔ آگ نے اس کے جسم کو جھلسا دیا تھا۔ پھر میری نظر ان متعدد جنگلیوں پر پڑی وہ بھی سوکھے پتوں کی طرح جل رہے تھے۔ مختلف قسم کی غیر انسانی مخلوقات کو آگ لگی ہوئی تھی۔ تاریک وادی کے سارے اسرار اس مندر سے وابستہ تھے۔ مندر کو آگ لگ چکی تھی۔ اچانک مجھے جھٹکا لگا اور پھر میں اچھل کر پتھر سے ٹکرایا۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو سمندر کے ساحل پر پایا۔ میرے نزدیک روزی بے ہوش پڑی تھی۔ اسے دیکھ کر میں خوشی سے بے قرار ہو گیا۔ تاریک وادی کا طلسم ختم ہوتے ہی وہ بھی آزاد ہوگئی تھی۔ وہ بہت زیادہ کمزور دکھائی دے رہی تھی۔

روزی ہوش میں آتے ہی مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق جنگلیوں کے دیوتا نے اس کو اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ اس کو اس کے سامنے ناچنا پڑتا تھا۔ غرض اس پر بہت زیادہ ظلم ہوئے تھے۔ تاریک وادی کی نیلی زمین اب سیاہ ہو چکی تھی۔ سارا طلسم ختم ہو چکا تھا۔

قصہ مختصر ایک ماہ کے بعد ہمیں ایک جہاز دکھائی دیا تھا۔ وہ ایک برٹش جہاز تھا۔ ایک ماہ ہم نے جنگلی پھلوں پر گزارہ کیا تھا۔ جہاز والوں نے ہم پر ترس کھا کر پناہ دی۔ ہماری کہانی ان کے لئے کافی حیرت انگیز تھی۔

شہر آ کر میں نے روزی سے شادی کر لی اور اس کا اسلامی نام اب نائلہ ہے۔ ان واقعات کو بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ جب بھی یاد آتے ہیں میں اپنے جسم کی لرزشوں پر قابو نہیں رکھ پاتا ہوں۔

ختم شد......